© rasailojaraid.com

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۲، شمارہ ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

مولانا شاہ احمد نورانی ۔ حیات و خدمات

محمد راشد انصاری

Allah the exalted kept sending this righteous and pious bondsmen in order to remove distortion in his religion and serve it Initially the Holy Prophets used to carry out this taske heartedly and ameliorate social and ideological disintegration.

Since the Holy Prophet Mohammad (May Allah's mercies and blessing be upon him) is the last prophet and noe no new prophet will come after him at all. Successors of the prophs have to carry out this responsibility. there fore Allah the Exalted kept sending down those who served his religion in real sense.

In my viewpoint, Molana Shah Ahmed Noorani was one of them. In this the tretise, I tried out at my full stretch to highlight Molana's religous, political and

national services with his brief biography. Most often, certain people on the basis of bias, grudge and resentment deliberately hide Molana's struggle and constant efforts he made in declaration of Qadyani Non-Muslim minority.

Molana's personality is so dimensional, versatile and comprehensive that a number of books be compiled on enormous adventures and feats prformed by him alone. Non theless, in this article, I briefly discussed some different aspects and facets of his life which will prove helpful to understand Molana's personality in a better way.

خلافت اور اس کے بعد کے ادوار میں اسلام کے آفاقی پیغام کو کائنات ارضی کی وسعتوں میں پھیلانے کے لئے دیگر بزرگوں کی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آل مبارک بھی دنیا کے مختلف ملکوں میں پہنچی۔ آپ کی نسل پاک میں سے کچھ لوگ روس کے شہر سمرقند، بخارا اور خجند میں بھی آکر آباد ہوئے۔

آپ کی اولاد میں سولہویں صدی عیسوی میں خجند میں صوفی حمید الدین خجندی ایک ممتاز مبلغ اسلام تھے آپ کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ مغل تاج ظہیر الدین بابر نے ہندوستان پر حملے کا ارادہ کیا تو اس نے دیگر علماء ومشائخ اور مشاہیر کے ساتھ آپ کو بھی ہندوستان چلنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول کر لی۔ اس طرح ہندوستان کی سرزمین پر اس صدیقی خاندان کی باقاعدہ آبادکاری کا سلسلہ شروع ہوا (۱) زیر نظر مقالہ اسی خاندان کے ایک چشم و چراغ کی سوانح حیات، علمی و ملی خدمات پر مبنی ہے

خاندانی وجاہت:

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کا خاندان میرٹھ میں ایک ممتاز علمی وروحانی گھرانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے طور پر مشہور رہا ہے۔ اس خاندان نے متعدد ملی تاریخ میں دینی، روحانی علمی خدمات کی یادگار اور قابل فخر داستانیں رقم کی ہیں۔

﴿۱﴾ آپ کے دادا مولانا شاہ عبدالحکیم صدیقی میرٹھی اپنی بزرگی وللہیت کی بنا پر شاہی مسجد میرٹھ کے خطیب تھے۔ اور مذہبی وروحانی پیشوا ہونے کے ساتھ پائے کے شاعر بھی تھے اور ''جوش'' تخلص فرماتے تھے۔

﴿۲﴾ آپ کے دادا کے بھائی مولانا محمد اسماعیل میرٹھی صدیقی جن کی نظمیں آج بھی مشہور ومعروف ہیں اور پاکستان کے سرکاری نصاب میں شامل ہیں۔

﴿۳﴾ آپ کے تایا مولانا مختار احمد صدیقی جن کو فاضل بریلوی احمد رضا خان نے اپنی خلافت سے نوازا تھا آپ اپنی عمر کے آخری حصے میں بصارت سے محروم ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود ان کی تحریرات نظمی ونثری جاری رہیں اور افریقہ کے متعدد تبلیغی سفر فرمائے۔

﴿۴﴾ آپ کے تایا مولانا نذیر احمد صدیقی کو بھی فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کی طرف سے خلافت حاصل تھی۔ آپ بمبئی کی جامع مسجد کے بلند پایا خطیب تھے۔ اور پورے پاکستان میں ایک معتبر علمی شخصیت تھے۔ حتی کہ بانی پاکستان محمد علی جناح نے جب رتن بائی سے شادی کا ارادہ کیا تو آپ ہی سے مشورہ کیا تھا اور رتن بائی نے آپ کے دست پر قبول اسلام کیا اور آپ ہی نے محمد علی جناح کے ساتھ ان کا نکاح پڑھایا۔

یوں تو رتن بائی پر اس وقت کی مجلس احرار، جمعیت علمائے ہند، جماعت اسلامی اور یونینسٹ پارٹی نے آتش پرست اور غیر مسلم ہونے کے الزامات عائد کئے مگر شورش کاشمیری جیسے صحافی نے اس تاریخی واقعہ کو اپنی کتاب میں واضح طور پر بیان کرکے رتن بائی اور محمد علی جناح پر لگائے گئے الزامات کو دھو دیا ہے۔ (۲)

﴿۵﴾ آپ کے والد ہندوستان میں مبلغ اسلام، سفیر پاکستان، سیاح عالم جبکہ افریقہ ویورپ اور عرب ممالک میں الخطیب الصدیقی کے القابات سے مشہور تھے۔ آپ بیک وقت عالم، صوفی، مقرر، خطیب، مصنف، حکیم تھے۔ آپ کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ نعت گوئی آپ کو ورثہ میں حاصل ہوئی تھی۔ قوم کے نباض شناس سیاست دان اور تحریک پاکستان کے ہراول دستے کے

سالار تھے۔ آپ نے اپنے والد شاہ عبدالحکیم، برادر اکبر مولانا احمد مختار، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان، اشرفی میاں، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، شیخ احمد الشمس، اور لیبیا کے مشہور وممتاز روحانی بزرگ شیخ السنوسی سے اکتساب فیض کیا اور ان سے بیعت حاصل کی۔

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی نے تقریباً چالیس سال تک دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اور شاید یہ دنیا کا کوئی ملک ہو جہاں آپ تشریف نہ لے گئے ہوں۔ افریقہ کے جنگلات ہوں یا یورپ کے شہر ایشیاء کے دور دراز علاقوں میں آپ نے اسلام کا پیغام پہنچایا۔ آپ کی کاوشوں سے تقریباً ستر ہزار افراد نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ جن میں نائجیریا کے وزیر اعظم احمد ڈبلیو شہید، بورنیو کی شہزادی، ماریشس کے فرانسیسی گورنر جنرل کی خاتون، وزیر سیلون کے وزیر ایف کلکس بری، امریکی سائنسدان جارج اتھنس ہونا لکاپا یمن کے نامور اسکالر ڈاکٹر احمد ہارون وغیرھم شامل ہیں۔ (۳)

اسی دوران مولانا اپنے وطن سے بھی بے خبر نہیں تھے۔ بلکہ برصغیر کی تاریخ کی ہر تحریک میں بھی آپ بھرپور طور پر حصہ لیتے رہے۔ چنانچہ آپ نے تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی گوہر کے شانہ بشانہ کام کیا۔ اور اسی دوران آپ نے چھ ماہ تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تحریک شدھی میں آپ نے مسلمانوں کو ہندوؤں سے بچانے کے لئے ہندوؤں کے گڑھ بمبئی، کرناٹک، احمد آباد، گجرات وغیرہ میں مراکز قائم کئے۔

مولانا عبدالعلیم نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان کی منظوری سے پہلے ہی مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ مسلم لیگ اور مسٹر جناح سے سیاسیات میں کام لیں۔ کیونکہ فی زمانہ علماء کرام ہندوؤں اور انگریزوں کی ریشہ کاریوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور یہ کام وہی کرسکتا ہے جو انگریزوں اور کانگریس دونوں سے واقف ہو۔ (۴)

۱۹۴۰ء کے آخر میں مولانا حج کے لئے روانہ ہوئے مگر آپ نے اس وقت بھی مسلمانوں کو ایک موثر پیغام دیا۔ آپ نے کہا کہ تمام برادران ملت کو علی العموم سفر حجاز مقدس میں آخری وصیت کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں کہ جس طرح بھی ممکن ہو آئندہ انتخابات جدیدہ میں تمام اختلافات کو مٹا کر آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں ہمہ تن سرگرم رہیں اور آبنائے وطن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دام تزویر میں آکر اپنے شیرازے کو منتشر نہ ہونے دیں اور ثابت کر دکھائیں کہ مسلمان متحد و متفق ہیں۔(۵)

مولانا عبدالعلیم نے قیام پاکستان کے بعد بھی خاموش تماشائی کا کردار ادا نہ کیا بلکہ ۱۹۴۸ء میں جید علماء کا ایک وفد لے کر محمد علی جناح سے ملاقات کی اور ایک جامع دستور آئین اسلامی پیش کیا۔جس پر قائد اعظم نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ قومی اسمبلی کا اجلاس پیش ہونے پر اسے پیش کیا جائے گا۔مگر بدقسمتی یہ کہ قومی اسمبلی کا اجلاس پیش ہونے سے قبل ہی محمد علی جناح کا انتقال ہو گیا۔(۶) آپ گونا گوں مصروفیات ہونے کے باوجود کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں جن میں اردو،انگریزی اور عربی کی کتب شامل ہیں۔مثلاً کتاب التصوف،بہار شباب،احکام رمضان، اسلام کی ابتدائی تعلیم،اسلام کے اصول،اسلام اور اشتراکیت،اسلام میں عورت کے حقوق،مرزائی حقیقت کیا ہے،مکالمہ جارج برنا ڈ شاہ(انگریزی)۔

﴿۶﴾ مولانا کی والدہ ماجدہ کا تعلق بھی ایک علمی خاندان سے تھا۔آپ بھی نسلاً صدیقی ہیں۔۱۸۹۸ء کو مظفر گڑھ انڈیا میں پیدا ہوئیں۔انتہائی صابرہ وشاکرہ عبادت گزار خاتون تھیں۔آپ کا مدفن عبداللہ شاہ غازی کے مزار سے متصل ایک چھوٹے سے قبرستان میں واقع ہے۔

﴿۷﴾ مولانا شاہ عبدالعلیم کے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادگان میں مولانا شاہ محمد جیلانی،مولانا شاہ احمد نورانی،حامد ربانی اور حامد سبحانی ہیں۔اور صاحبزادیوں میں امۃ السبوح جو کہ نامور اسکالر ڈاکٹر فضل الرحمان انصاری کی زوجہ تھیں۔دوسری ڈاکٹر عزیزہ احمد تھیں اور تیسری ڈاکٹر فریدہ احمد ہیں۔یہ وہ شخصیات ہیں جن کا کسی نہ کسی اعتبار سے ملکی،سیاسی،دینی وملی خدمات کے حوالے سے کردار رہا ہے۔

پیدائش،تعلیم وتربیت

مولانا شاہ احمد نورانی ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ،بمطابق ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے۔آپ کا سلسلہ نسب والد اور والدہ دونوں کی طرف سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔مولانا نورانی کی رسم بسم اللہ بزرگوں کے طریقہ کار کے مطابق چار

سال،چار ماہ اور چار دن کی عمر میں کی گئی۔آٹھ سال کی عمر میں آپ نے مکمل حفظ کیا۔تکمیل حفظ قرآن کے بعد میرٹھ ہی میں آپ نے اپنی ثانوی تعلیم نیشنل عربک کالج سے مکمل کی۔جہاں ذریعہ تعلیم عربی زبان تھی۔بعد ازاں الہ آباد سے گریجویٹ کیا اور ساتھ ساتھ مشہور مقامی مدرسہ،مدرسہ اسلامیہ قومیہ میں مولانا غلام جیلانی میرٹھی سے درس نظامی کی تکمیل کی۔بعد ازاں والدہ ماجدہ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔جہاں آپ نے ایک سال میں مشہور قاری الشیخ حسن الشاعر سے قرات وتجوید کی تعلیم حاصل کی۔اور قرآن کریم خالص عربی طرز میں پڑھنا سیکھا۔اس طرح آپ نے محض بیس سال کی عمر میں درس نظامی قرات وتجوید اور گریجویشن سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ساتھ ہی ساتھ مولانا اپنے والد کے ساتھ تبلیغی سرگرمیوں کے حوالے سے مختلف ممالک کے دورے بھی کرتے رہے اور خاص والد صاحب کے حکم پر بین الاقوامی زبانیں بھی سیکھتے رہے۔آپ کو دنیا کی سترہ زبانوں پر عبور حاصل تھا۔بین الاقوامی تبلیغ کے دوران لاکھوں غیر مسلموں کے آپ کے ہاتھوں مسلمان ہونے کے اسباب میں جہاں آپ کا علم اور کردار اہمیت کا حامل تھا وہیں آپ کی زبان دانی بھی بڑی موثر رہی ہے۔

والد کی جانشینی اور تبلیغ اسلام:

۱۹۵۳ء میں جب آپ کی عمر ستائیس سال تھی آپ کے والد اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔اس ابھرتی ہوئی جوانی میں اپنے والد محترم کے لگائے ہوئے اس چمنستان کی آبیاری کے لئے ذمہ داری سنبھالی اور اس نہج پر بین الاقوامی سطح پر تبلیغ فرما کر ان کی جانشینی کا حق ادا کیا۔اور ۱۹۵۵ء میں عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی جامعۃ الازہر(مصر) کے علماء کی دعوت پر قاہرہ تشریف لے گئے۔۱۹۵۶ء میں مولانا نے حضرت مفتی ضیاء الدین بابا خانوف(مفتی اعظم روس) کی دعوت پر روس کا تبلیغی دورہ کیا اور سوشلسٹ معاشرہ کا مطالعہ کر کے نہ صرف ازبکستان،تاشقند،سمرقند،بخارا کے مقبوضہ علاقوں کے مسلمانوں میں دینی جذبہ بیدار کیا بلکہ طاقتور سوشلزم کے زمانے میں اپنے رابطوں کو مسلسل مستحکم کیا۔۱۹۵۸ء میں مشرق وسطی کا تجزیاتی اور ۱۹۶۰ء میں شمالی افریقہ کا تبلیغی دورہ کیا۔۱۹۶۲ء میں نائجیریا کے وزیر اعظم احمد ڈبلیو شہید کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے اور ان کے ذاتی مہمان کی حیثیت سے تین ماہ کا تبلیغی دورہ کیا۔اسی سال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صومالیہ، کینیا، ٹانگانیکا، یوگینڈا اور ماریشس بھی تشریف لے گئے۔ یاد رہے کہ یہ زمانہ مولانا شاہ احمد نورانی کے عین عالم شباب کا زمانہ تھا۔(۷)

۱۹۶۳ء ہی میں مولانا نورانی کی اس قدر مصروفیات کے دوران مدینہ منورہ میں ان کی شادی انجام پائی۔ ان دنوں پاکستان کی طرف سے غلاف کعبہ لے کر اکابر علماء اہلسنت کا ایک وفد عازم حج تھا جس میں مولانا کے ساتھ مفتی جمیل احمد نعیمی بھی شامل تھے۔ مولانا جمیل احمد نعیمی کی ذاتی ڈائری میں موجود معلومات کے مطابق تاریخ نکاح ۲۴ ذی الحج ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۹ مئی ۱۹۶۳ء بروز اتوار درج ہے۔ آپ کی فیملی پہلے ہی سے وہاں موجود تھی۔(۸) چنانچہ برصغیر کے نامور علماء ومشائخ دین کی موجودگی میں آپ کے والد کے معتمد ترین دوست مولانا ضیاء الدین مدنی (مشہور قطب مدینہ) کی پوتی اور مولانا فضل الرحمن کی صاحبزادی آپ کے عقد نکاح میں آگئیں۔

آپ کی ازدواجی زندگی آپ کے روزمرہ معمولات اور تبلیغ دین کے کام میں کبھی رکاوٹ نہ بنی۔ بلکہ آپ طے شدہ پروگرام کے مطابق آپ شادی کے فوراً بعد ہی ترکی، فرانس، مغربی جرمنی، برطانیہ، ماریشس، نائیجیریا اور اسکنڈے نیوین ممالک کا تبلیغی دورہ کیا۔ اور اسی سال چینی مسلمانوں کی دعوت پر عوامی جمہوریہ چین کا تبلیغی دورہ کیا۔ شادی کے سالوں میں سربلندی اسلام اور تبلیغ دین متین میں آپ کی برق رفتار جدوجہد اور انتہائی مصروفیت آپ کی عظمت اور بلندی کردار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۱۹۶۴ء میں مولانا نورانی نے امریکہ، جنوبی امریکہ اور کینیڈا کا تبلیغی دورہ کیا۔ ۱۹۶۸ء میں آپ نے یورپ کا تفصیلی دورہ کیا جس میں آپ نے قادیانی رسالہ اسلامک ریویو لندن (برطانیہ) کے ایڈیٹر بی ڈاڈ سے چھ گھنٹے کا طویل مناظرہ کیا اور اسے کتابیں چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کردیا۔ ۶۹ء اور ۷۰ء کا عرصہ مولانا نورانی نے پاکستان ہی میں گزارا کیونکہ اس وقت پاکستان کے سیاسی وملکی حالات دگرگوں تھے۔ ۱۹۷۱ء میں آپ نے سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کا تقریباً ڈیڑھ ماہ کا دورہ کیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے ۱۲ اپریل ۱۹۷۴ء کو بریڈ فورڈ برطانیہ کے سینٹ جارجز ہال

میں ایک عظیم الشان عالمی کانفرنس کی صدارت کی۔ اس کانفرنس میں مختلف ممالک کے تقریباً پچاس علماء شریک ہوئے۔ جس کی صدارت مولانا شاہ احمد نورانی نے کی۔ اس موقع پر ۲۴ ملکوں میں ادارہ ورلڈ اسلامک مشن کی شاخوں کے لئے کنوینر مقرر کئے۔ جن میں پاکستان، بھارت، سری لنکا، انڈونیشیا، تنزانیہ، پرتگال، صومالیہ، جنوبی افریقہ، سینی گال، نائیجیریا، مصر، شام، عراق، افغانستان، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، انگلینڈ، امریکہ، سرینام، ارجنٹائن، سعودی عرب اور ٹرینی ڈاڈ شامل ہیں۔ اسی سال ۳۰ جون کو مولانا شاہ احمد نورانی نے پاکستان کی اسمبلی میں مرزائیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دینے کے لئے قرارداد پیش کی۔ جس کے تحت ہمیشہ کے لئے مرزائیوں کو پاکستان کے آئین میں غیر مسلم قرار دیا گیا۔ یہ سال اس حوالے سے پاکستان کا تاریخی سال ہے۔

۱۹۷۵ء میں مولانا نے چیئرمین ورلڈ اسلامک مشن کی حیثیت سے جید علماء ومفکرین کی قیادت کرتے ہوئے امریکہ، افریقہ اور یورپ کا دورہ کیا۔ ابتداً حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی بعد ازاں افریقہ کے ۱۸ ممالک کا تبلیغی دورہ کیا۔ اور پھر یہ وفد برطانیہ روانہ ہوا۔ جہاں دو ہفتے کے قیام کے بعد وفد نے امریکہ، جنوبی امریکہ، کینیڈا، مغربی جرمنی، اسپین، تیونس، لیبیا، الجزائر، مصر اور ترکی کا تبلیغی دورہ کیا۔ اس دورے میں شاہ احمد نورانی اور ان کے وفد نے ایک لاکھ سے زائد میل کا سفر طے کیا اور ۶۰۰ سے زائد تقاریر کیں۔ اس دورے میں سیکڑوں غیر مسلموں نے مولانا شاہ احمد نورانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

اس مختصر سے جائزے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مولانا شاہ احمد نورانی کی مصروفیات کا شیڈول سال بھر کے لئے تیار ہوتا تھا۔ اس میں بین الاقوامی اور ملکی داخلی ضروریات کو ہمیشہ مدنظر رکھا جاتا تھا۔

۱۹۷۴ء میں تبلیغی دورہ پر جب ماریشس (افریقہ) گئے تو آپ نے ابتداً ایک اسلامی ادارے کی بنیاد رکھی اور ۱۲ ربیع الاول کو جلسہ عید میلاد النبی ﷺ کی صدارت کرتے ہوئے خطاب کیا۔ اس جلسے میں ماریشس کے وزیر اعظم رام غلام، گورنر جنرل سر عثمان، چیف جسٹس ایچ کاسن علی، اراکین اسمبلی، ملکی وغیر ملکی سفراء اور مختلف اسلامک ممالک کے سربراہان شامل تھے۔ جس میں ہندو وزیر اعظم نے کہا کہ ماریشس کے وزیر اعظم بالخصوص مسلمانوں پر مولانا شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احمد نورانی کا یہ عظیم احسان ہے کہ وہ اپنی تمام تر مصروفیات کو چھوڑ کر یہاں تشریف لائے۔ وہاں سے آپ عمرہ کی ادائیگی کے لئے سعودی عرب اور پھر وہاں سے کینیا تشریف لے گئے۔

۱۹۷۵ء میں مولانا نورانی کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) گئے۔ مولانا نے وہاں شہریوں کے استقبالئے میں "اسلام بیسویں صدی کے چیلنج کو قبول کرتا ہے" کے عنوان سے انگریزی میں خطاب کیا۔ اس دورہ میں ۴۵ یورپی اور مقامی افراد نے اسلام قبول کیا۔ ۱۹۷۶ء میں مولانا نے برمنگھم میں برطانیہ کی تاریخ میں مسلمانوں کے سب سے بڑے اجتماع نظام مصطفےٰ کانفرنس سے خطاب کیا اور فروری ۱۹۸۰ء میں امریکہ کے شہر نیویارک میں کولمبیا یونیورسٹی کے انٹرنیشنل ہال میں "اسلام کی ہمہ گیریت" کے موضوع پر انگریزی میں خطاب کیا۔ یونیورسٹی کی ایک پروفیسر خاتون نے مولانا کی تقریر سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں ریاست ٹرینی ڈاڈ کے مسلمانوں کی دعوت پر وہاں پہنچے تو ائر پورٹ پر مولانا کا فقید المثال استقبال کیا گیا اور پوری ریاست میں عام تعطیل کر دی گئی۔ یہاں پچیس دنوں میں چالیس خطابات کئے۔ یہاں سے سرینام، آسا اور آئی لینڈ سے ہوتے ہوئے جرمنی پہنچے، کولمبیا یونیورسٹی میں "افغانستان میں روسی جارحیت اور افغان مہاجرین" کے عنوان پر خطاب کیا۔ پھر کیلیفورنیا اور لاس اینجلس کا دورہ کیا۔ ۱۵ جون ۱۹۸۰ء کو ورلڈ اسلامک مشن کی چوتھی کانفرنس میں شرکت کے لئے ہالینڈ تشریف لے گئے۔(۹)

۱۹۸۰ء سے لے کر اگلی دو دہائیوں تک اسی طرح مولانا امریکہ، افریقہ، یورپ اور ایشیاء کے ممالک کے برق رفتار تبلیغی دورے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جس میں سرکاری و غیر سرکاری اجتماعات سے خطابات میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اسلام کی اصل تعلیمات سے لوگوں کو خبردار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اتحاد بین المسلمین کا درس اور دین اسلام کی مبادیات پر ڈٹے رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ دنیا کے حالات سے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں۔ ہزاروں غیر مسلموں کو مسلمان کرتے ہیں۔ سینکڑوں مساجد اور اسلامی اداروں کی بنیادیں رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کے سیاسی و مذہبی حالات سے نہ صرف باخبر رہتے ہیں بلکہ اس میں بھرپور حصہ لیتے دکھائی دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اولوالعزمی، برق رفتاری

اور اس کے ساتھ ساتھ مستقل مزاجی ہمیں دور دور تک دکھائی نہیں دیتی۔

اس حوالے سے آپ کا ۱۹۹۶ء کا ناروے کے دورہ کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا جہاں آپ نے دنیا کے اس دورے میں عالیشان مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس دوران مذہب عیسائیت کے سب سے بڑے مذہبی رہنما پوپ جان پال نے افریقہ کا دورہ کیا۔ اور کہا کہ اگلی صدی افریقہ کا مذہب عیسائیت ہوگا۔ اس کے جواب میں مولانا نے اس کو چیلنج کیا اور کہا کہ اگلی صدی میں نہ صرف افریقہ میں سب سے بڑا مذہب اسلام ہوگا بلکہ اگلی صدی دنیا پر غلبہ اسلام کی صدی ہوگی۔

آپ کی زندگی کا آخری تبلیغی دورہ اگست ۲۰۰۳ء میں آئر لینڈ کا تھا جس میں آپ نے متعدد کانفرنسوں کی صدارت فرمائی یہ دورہ تقریباً دس دن پر مشتمل تھا۔(۱۰)

مولانا نورانی اور ورلڈ اسلامک مشن :

دنیا بھر کے مسلمان خصوصاً برصغیر کے لوگ جو امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، اور یورپ کے بعض حصوں، سنگھاپور، ہانگ کانگ وغیرہ میں رہائش پزیر ہیں ان کی مذہبی ضروریات نسبتاً زیادہ ہیں۔ کیونکہ ان ممالک کی حکومتیں غیر مسلم ہیں۔ عیسائی حکومت برملا اپنے مذہب کی سرپرستی کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اور ان کی ہر وقت یہ کوشش ہوتی ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کو عیسائی بنالیں اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو آئندہ نسل کو عیسائی بنانے کے لئے ماحول سازگار کریں۔

مولانا شاہ احمد نورانی چونکہ بچپن ہی سے بین الاقوامی سطح پر اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے مشن پر عمل پیرا تھے اس لئے اس کیفیت کو انہوں نے شدت سے محسوس کیا۔ اس کمی کو دور کرنے کے لئے جنوری ۱۹۷۳ء میں حج کے موقع پر دنیا بھر کے مذہبی پیشواؤں کو مکہ مکرمہ میں اکٹھا کیا۔ جس میں ان جید علماء کی مجلس مشاورت مسلسل کئی روز تک اس بات پر غور و فکر کرتی رہی کہ لادینیت کی یلغار کو روکنے، مسلمانوں میں دین کا احترام کرنے اور اسلامی طرز زندگی اپنانے کا جذبہ کیسے بیدار کیا جائے۔ کئی روز کی محنت رنگ لائی اور یہ بات طے ہوگئی کہ عالمی سطح پر ایک مذہبی تنظیم کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس کے ذریعے جہاں ایک طرف مسلمانوں کو قرآن و سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ترغیب دلائی جائے وہاں دوسری طرف لادینی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوتوں کی یلغار کو بھی روکا جائے۔چنانچہ ۱۲ دسمبر ۱۹۷۳ء کو بریڈ فورڈ (برطانیہ) میں ورلڈ اسلامک مشن کا مرکزی سیکریٹریٹ قائم کیا گیا اور ۱۲ اپریل ۱۹۷۴ء کو مولانا نورانی کی صدارت میں سینٹ جارجز ہال میں اس کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی۔جس میں تنظیم کے اصول وضوابط ترتیب دئے گئے۔اس موقع پر پاکستان،ہندوستان،عراق،یمن،برطانیہ،افریقہ اور دیگر اسلامی ممالک سے تقریباًایک سو سے زائد مذہبی رہنماؤں نے شرکت کی۔اس کانفرنس میں اس بات کا عہد کیا گیا کہ پاکستان اور ہندوستان میں جس طرح دین کا کام کیا جارہا ہے اسی طرح یورپ اور امریکہ سمیت دیگر ممالک کے افراد اور ان کے بچوں کو کفر سے بچانا بھی ہمارا دینی فریضہ ہے۔اور اس میں یہ بھی عہد کیا گیا کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں مسلمانوں کو دفاعِ اسلام کی ضرورت پیش آئی تو ورلڈ اسلامک مشن اس فریضہ کو بھرپور طریقہ سے ادا کرے گا۔

مشن کی جانب سے تبلیغ کے خدوخال یوں واضح کئے گئے۔

۱۔مشن کی دعوت بنی نوعِ انسان کے لئے ہوگی مسلم وغیر مسلم کی تمیز کئے بغیر ترجیحاً مشن مسلمانوں کی اصلاح اور انہیں اسلامی احکام کا پابند بنانے کی کوشش کرے گا۔

۲۔کسی بھی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے کے لئے نہ کسی طرح کا لالچ دیا جائے گا اور نہ جبر بلکہ شعوری بنیاد پر تبدیلی لانے کے لئے ماحول پیدا کیا جائے گا۔تاکہ وہ دیگر مذاہب کے مقابلے میں اس کی آفاقی خوبیوں کی بدولت اسلام قبول کرے۔

۳۔مسلمان بچوں اور نوجوانوں کے قلوب میں اسلام کی تاریخ،عقائد و فرائض پیغمبر اسلام کے فضائل وکمالات اور صحابہ کرام کی زندگیوں کے نقوش ثبت کئے جائیں گے۔

۴۔مسلمان خواتین کو تربیت اولاد،فرائض عائلی،محاسن اخلاق اور معاشرت کی بنیادی تعلیم دی جائے گی تاکہ وہ اپنا کردار بھرپور طریقہ سے ادا کرسکیں۔

ورلڈ اسلامک مشن کی تنظیم پر غور کیا جائے تو ہر ملک ایک الگ یونٹ کی شکل رکھتا ہے۔تمام یونٹ اپنے اپنے وسائل سے اپنا کام سرانجام دیتے ہیں یورپ اور امریکہ کے بیشتر ممالک میں اس کی رجسٹریشن ہے۔ورلڈ اسلامک مشن نے اب تک اپنی مدد آپ کے تحت کینیڈا،ساؤتھ امریکہ،فرانس،ناروے،بیلجیم،ہالینڈ،پرتگال،جرمنی،آسٹریلیا،ماریشس،کینیا،

تنزانیہ اور ساؤتھ افریقہ سمیت بہت سے اسلامی ممالک میں اپنے ادارے قائم کئے ہیں۔جن میں ہزاروں تشنگانِ دین استفادہ کر رہے ہیں۔مولانا نورانی ہرسال ان اداروں کی کارکردگی،تنظیم تبلیغ اور نئے قائم شدہ مدارس ومساجد کا افتتاح وسیمینار میں شرکت کرنے کے لئے دنیا بھر کا دورہ کرتے تھے۔ان کا ورلڈ اسلامک مشن پاکستان کے دفتر میں بیٹھ کر اپنے اداروں سے مستقل رابطہ رہتا۔اور کسی بھی ایمرجنسی میں وہاں پہنچتے۔ان کے دورے اور رابطے پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ورلڈ اسلامک مشن کی شاخوں کو مضبوط رکھتے تھے۔اگرچہ مولانا نورانی آج اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کے لگائے ہوئے اس چمنستان کی ہریالی وشادابی سے ایک عالم آج بھی لطف اندوز ہورہا ہے۔

مولانا نورانی کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ماریشس کے وزیر اعظم نے کہا تھا"ربیع الاول میں مولانا ماریشس تشریف لاتے ہیں تو ان کا استقبال سربراہ مملکت کی طرح ہوتا ہے۔اور ماریشس میں امن کا سہرا مولانا نورانی کے سر ہے۔"یہ جملہ مولانا نورانی کے عالمی مبلغ ہونے اور چیئرمین ورلڈ اسلامک مشن کے منصب جلیلہ کو بہترین طریقہ پر نبھانے کا اعتراف ہے۔(۱۱)

دعوتِ اسلامی کی تشکیل:

پاکستان میں محبت رسول کے فروغ اور لوگوں کو سیرت طیبہ پر عمل پیرا کرنے کے لئے مولانا شاہ احمد نورانی نے ۱۹۸۱ء میں علماء کرام کا ایک اجلاس بلایا جس کی صدارت جید عالم دین سید احمد سعید کاظمی نے کی۔اس میں مفتی وقار الدین،عبدالمصطفیٰ الازہری،ارشد القادری سمیت بہت سے علماء کرام شریک ہوئے۔رات دو بجے تک جاری رہنے والے اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ خالصتاً غیر سیاسی انداز میں کام کرنے کے لئے ایک تنظیم قائم کی جائے جس کا بنیادی مقصد لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی ترغیب ہو۔تاکہ پاکستانی معاشرے میں حضور کی سنت سے دوری کا جو رجحان پھیلتا جارہا ہے اسے روکا جاسکے۔اور نوجوانوں کو سیرت نبوی میں ڈھالنے کا انتظام ہو۔ہر جگہ درود وسلام کی صدائیں گونجیں۔اس تنظیم کا نام دعوتِ اسلامی تجویز کیا گیا۔اور مفتی وقار الدین کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس کام کا آغاز کریں۔اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر اس کام کے لئے جو بہترین نوجوان نظر آئے یہ کام اس کے سپرد کر دیا جائے۔ان دنوں مفتی وقار الدین کے پاس مولانا الیاس قادری زیر تعلیم تھے انہوں نے مولانا شاہ احمد نورانی سے اجازت لے کر مولانا الیاس قادری کو دعوت اسلامی کا امیر مقرر کر دیا۔آج مولانا شاہ احمد نورانی کا لگایا ہوا دعوت اسلامی کا یہ پودا تناور درخت بن چکا ہے کہ ملک کے طول وعرض میں دعوت اسلامی کے "اسلامی بھائی" حضورﷺ کی سنتوں کو عام کرنے کے لئے شب وروز کوشاں ہیں۔لاکھوں نوجوان دعوت اسلامی سے وابستہ ہیں۔ہر سال اس کا باقاعدہ سالانہ سہ روزہ اجتماع منعقد ہوتا ہے۔جس میں لاکھوں افراد شریک ہو کر حضورﷺ کی سنتوں کا احیاء کرتے ہیں۔

★داعی اتحاد بین المسلمین:

محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں پاکستان کٹھن جدوجہد کے بعد معرض وجود میں آیا۔قائد اعظم نے پاکستان کو عالم اسلام کی فیکٹری قرار دیا۔جہاں مسلم قومیت کے جذبے کو ملت اسلامیہ میں پھیلانا تھا۔یہ بات سامراجی قوتوں کو کیسے ہضم ہو سکتی تھی۔سازشوں کے جال بچھائے جانے لگے۔علماء کے درمیان اختلاف کو بڑھا کر فرقہ واریت کو ہوا دی جانے لگی۔لیکن ۱۹۵۱ء میں علماء اسلام پاکستان نے ۲۲ نکات پر اتفاق کر کے اس سازش کو ناکام بنا دیا۔اور اس کے بعد قوم بنگالی اور غیر بنگالی کی سازش ہوئی جس میں مخالف کو کامیابی ہوئی اور ملک دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔یہ سب کچھ اس لئے کیا جا رہا تھا کہ عملی طور پر پاکستان کو اسلامی نظریاتی ملک نہ بننے دیا جائے۔نئے پاکستان میں اسلام کا جذبہ پھر بھی ماند نہ پڑا۔اس لئے کہ ان کے درمیان مولانا شاہ احمد نورانی جیسی شخصیت موجود تھی۔مولانا کی قیادت میں علماء نے طویل جدوجہد کر کے ۷۳ء کے آئین میں اسلام کے نفاذ کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کر دی۔۱۹۷۷ء میں تحریک نفاذ مصطفیٰ میں پشاور تا کراچی عوام کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ ملک میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ ہو۔لیکن لارڈ میکالے کی نظام تعلیم سے تربیت یافتہ بعض فوجی اور سول حکمران رکاوٹ بنے۔سیاسی ڈیڈ لاک آیا اور امریکہ کی شہ رگ پر اسلامائزیشن رک گئی اور مارشل لاء آ گیا۔چند اہم جنرلوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے لسانیت کو ہوا دی۔اور لسانیت پرستوں کی پشت پناہی کی۔جے ایم سید کے ذریعے سندھ کو منظم کیا گیا۔کراچی میں مہاجر قومیت کو ابھارا

گیا۔پنجاب میں "اساں تیڈی گٹھ لاہور دے" کے نعرے لگے۔سرحد میں پختونستان اور بلوچستان میں پختون بلوچ قومیت کو لسانیت کے نام پر ابھارا گیا۔محبت بھرا ماحول نفرتوں کی آماجگاہ بننے لگا۔اس دوران مولانا شاہ احمد نورانی اور ان کے ہم خیال علماء پورے ملک میں اپنے خطبات کے ذریعے اس آگ کو بجھانے کی کوششوں میں مصروف عمل رہے۔اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔جس کی پاداش میں مولانا شاہ احمد نورانی پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے۔جونہی ۱۹۸۸ء کا انتخاب آیا سیاسی ومذہبی اتحاد ہونا شروع ہو گئے نفرتوں کی جگہ نظریات نے لینا شروع کر دی۔منظر نامہ تبدیل ہو چکا تھا۔افغانستان میں روس کو شکست ہو چکی تھی۔انقلاب ایران کے بعد پاکستان ،ایران اور افغانستان امکانی طور پر ایک مسلم بلاک بن سکتے تھے۔امریکہ نے خطرہ کو بھانپتے ہوئے نیو ورلڈ آرڈر تشکیل دے کر مسلم ممالک پر پہرے بٹھا دئے۔مسلمانوں کے لئے انتہا پسند اور بنیاد پرست کے الفاظ ایجاد کئے گئے۔سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد کے نام سے شیعہ، دیوبندی مسلمانوں کو آپس میں لڑایا گیا۔بیرونی سرمایہ کی طاقت سے مسلح گروپ بنائے جا چکے تھے۔عبادت گاہیں مقتل گاہوں میں،دانش کدے اسلحوں کا گڑھ بننے لگے۔مسلمان دوسرے مسلمانوں کا خون بہانے لگے۔یہ سب اس لئے کیا جا رہا تھا تاکہ ایران ،پاکستان اور افغانستان تینوں جگہ فرقہ وارانہ نفرتیں بڑھیں اور یہ تینوں ممالک آپس میں نفرتوں کی آماجگاہ بن جائیں اور امن وسکون برباد ہو اور اتحاد کی امکانی قوتوں کی بھی راہیں مسدود ہو جائیں۔معاملہ شدت اختیار کرتا گیا حتیٰ کہ مغربی میڈیا ان واقعات کی ویڈیو بنا کر دنیا کو دکھاتا۔اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی کہ اسلام دہشت گردی کا مذہب ہے۔ایسے حالات میں اسلام کے بڑے بڑے دعویدار خاموش تماشائی بنے کھڑے تھے۔سیکولر جماعتیں مذہبی طبقوں کو رسوا کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ایسے میں مولانا شاہ احمد نورانی کے بیدار مغز ذہن نے اسلام کے تحفظ اور پاکستان کی سلامتی کے لئے پھر ایک قدم آگے بڑھایا اور ۲۳ مارچ ۱۹۹۵ء کو مذہبی جماعتوں کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔جس میں جمعیت علماء اسلام(ف) کے علاوہ تمام مذہبی جماعتوں کے رہنما شریک ہوئے۔یہ اجلاس نہایت ہنگامہ خیز تھا۔اکثر حضرات اپنی اپنی بالادستی چاہتے تھے۔اس کاروان کی قیادت کا سنگین مسئلہ سامنے آ گیا۔غور وفکر کے بعد اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجے پر پہنچے کہ صرف مولانا شاہ احمد نورانی کی شخصیت ہی اتنی قد آور ہے کہ جن کی نظر نہ صرف پورے عالم اسلام پر ہے بلکہ وہ ملک کے اندرونی و بیرونی مسائل کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ نیز حکمرانوں کی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں اور عالم اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس طرح اتفاق رائے سے انہیں صدر اور مولانا سمیع الحق کو جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا۔ اور ملی یکجہتی کونسل کے نام سے ایک تنظیم وجود میں آئی۔ جس نے استعمار کے ناپاک عزائم سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ فرقوں کی لڑائی کو ہر ممکن روکنے کی کوشش کی حکمرانوں کی مجرمانہ غفلتوں سے پردہ اٹھایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام مذہبی قیادتوں نے مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں باجماعت نماز ادا کر کے استعماری قوتوں اور ان کی شہ رگ پر مذہب کا مذاق اڑانے والی لبرل قوتوں کے منہ پر کالک مل دی۔ اور اتحاد بین المسلمین کا واضح ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد قومی ملی یکجہتی کونسل نے ایک اعلامیہ بھی جاری کیا۔ جس کے الفاظ پاکستان کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں علماء نے بغیر حکومتی طاقت کے ملک میں پیدا شدہ امن وامان کے مسئلہ کا حل پیش کیا۔ دہشت گردوں سے برات کا اعلان تبرا بازی پر پابندی، اشتعال انگیز لٹریچر پر قدغن کے اصول وضع کئے۔ حتیٰ کہ مدارس کے نام پر بیرونی امداد کو بھی وزارت مذہبی امور کے ذریعے طے کرنے کی سفارش کی یہ ایسا سنہری ضابطہ اخلاق ہے کہ جس پر آج بھی عمل کر کے ملک کو تھوڑے ہی دنوں میں امن وامان کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے۔ (۱۳)

میدان سیاست میں:

مولانا شاہ احمد نورانی نے ملکی سیاست کی ابتدا جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے کی۔ اور دم واپسی اسی پلیٹ فارم سے سیاست کرتے رہے۔ ۱۹۵۳ء میں جمعیت کراچی شاخ کے عہدیدار رہے پھر ترقی کرتے ہوئے سندھ کے نائب صدر بنے۔ ۱۹۵۸ء کے ون یونٹ کے قیام کے بعد آپ کو مغربی پاکستان کا سینئر نائب صدر بنایا گیا۔ اور پھر ۱۹۷۰ء میں مرکزی سینئر نائب صدر بنائے گئے۔ انتخاب کے بعد آپ کو پارلیمانی پارٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ اور پھر

جب ۱۹۷۳ء میں صدر جمعیت خواجہ قمر الدین سیالوی نے علالت کی وجہ سے استعفیٰ دیا تو آپ کو خانیوال کنونشن میں جمعیت کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس اجلاس میں خواجہ قمر الدین سیالوی نے فرمایا تھا کہ مولانا نورانی ایک عاشق رسول ہیں۔ اور سیادت وقیادت کا عمامہ ان ہی کے سر سجتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب جمعیت علمائے پاکستان اور مولانا نورانی کے خلاف بھٹو نے استعماری حربے استعمال کرنا شروع کردئے تھے۔ اور ایک متوازی جمعیت بنانے کے لئے چند طالع آزما اور حکومت پرست سجادہ نشینوں کو جمع کر کے پروپیگنڈا کرنا شروع کردیا تھا کہ " نورانی کو جمعیت سے خارج کردیا جائے گا "۔ اس وقت تمام علمائے اہلسنت نے آپ پر اپنے بھرپور اعتماد کا اظہار کیا اور پھر آپ کو جمعیت علمائے پاکستان کا متفقہ صدر منتخب کرلیا گیا۔ (۱۴)

آپ نے جمعیت کو مفادات وزارت سے بچا کر رکھنے کی بھرپور کوشش کی اور مقصد اصلی واضح کیا کہ ہماری منزل اقتدار و وزارتیں نہیں بلکہ نظام مصطفےٰ ﷺ کا ملک میں عملی نفاذ ہے۔ آپ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر ہمیشہ سیاست کے داؤ پیچ لڑتے رہے۔ کبھی اصولوں سے سمجھوتا نہیں کیا۔ مصلحت پسندی کی سیاست سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ اصولوں کے معاملے پر کبھی کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ لیکن دوسری طرف اہل حق کے لئے انتہائی نرم معاملہ رکھتے تھے۔ بلکہ انتہائی عاجزی انکساری کا معاملہ فرماتے۔ بالخصوص علمائے حق کے لئے اپنے بازوؤں کو کھلا رکھتے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

۱۹۷۰ء میں جب آپ جمعیت کے نائب صدر بنائے گئے تھے تو اس وقت خواجہ قمر الدین سیالوی اور پیر کرم شاہ الازہری جونیئر نائب صدر جبکہ سید محمود احمد رضوی ناظم اعلیٰ تھے۔ جس میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ جمعیت اب مکمل طور پر سیاسی جماعت ہوگی اور چھ ماہ بعد ملک میں عام انتخابات میں بھرپور حصہ لے گی۔ اس کانفرنس میں جو کہ جلسہ عام کی شکل تھی میں جمعیت کے ذمہ داران نے خطابات کئے۔ اس جلسہ میں سب سے پرمغز تقریر مولانا شاہ احمد نورانی کی تھی۔ جس میں آپ نے کہا کہ اے لوگو! یہ اصطلاح بدل دو کہ کمیونزم اور سوشلزم ہماری لاشوں پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئے گا بلکہ ہم نظام مصطفیٰ کیمونسٹوں کی لاشوں پر تعمیر کریں گے۔اور سوشلزم کا نشہ اپنے عبرتناک انجام سے دوچار ہوگا۔اور ان شاء اللہ نظام مصطفیٰ کا آفتاب اپنی آنکھوں سے طلوع ہوتا دیکھیں گے۔

دسمبر ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں ملک میں ایک حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی۔صرف چھ ماہ قبل نمودار ہونے والی جماعت ایک بڑی سیاسی جماعت بن کر منصۂ شہود پر آئی۔جس نے قومی اسمبلی کی سات،پنجاب اسمبلی کی چار،اور سندھ اسمبلی کی چھ نشستیں حاصل کیں۔اس طرح اس جماعت نے حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔اور اسمبلی میں مولانا نے انگریزی میں پرجوش خطاب کیا جو نہ صرف سوشلسٹ جماعت بلکہ اس ذہن کے پریس ٹرسٹ کے لئے بھی حیران کن تھا۔

مولانا نورانی مذاکرات کو سیاست کا حصہ سمجھتے تھے۔اس لئے آپ ۲۸ جنوری ۱۹۷۱ء کو مجیب الرحمٰن سے تبادلہ خیال کے لئے ڈھاکہ گئے اور اس سے ملاقات کرکے اس کے خیالات کے بارے میں ایک ذہنی خاکہ تیار کیا۔وہ اس وقت ملک توڑنا نہیں چاہتا تھا اور صدر جنرل یحیٰی خان جان بوجھ کر اسمبلی کے اجلاس میں تاخیر کرکے ملک کو خانہ جنگی میں دھکیلنا چاہتے تھے۔چنانچہ آپ نے تمام سیاستدانوں سے تبادلہ خیال کے بعد یحیٰی خان سے فروری ۱۹۷۱ء میں ملاقات کی۔اور اسے حالات کی سنگینی کا احساس دلایا۔اور اس سے فی الفور اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا۔

جنرل یحیٰی خان سے آپ کی ملاقات آپ کی سیاسی بصیرت،جرأت وبہادری،بے خوفی اور مذہبی حمیت کی لازوال داستان ہے۔جس کا اقرار یحیٰی خان نے خود چودھری ظہور الٰہی سے کیا تھا کہ "جب مشرقی پاکستان کے لیڈروں سے مذاکرات کے دوران مغربی پاکستان کے تمام لیڈر خاموش رہتے تھے تو شاہ احمد نورانی وہ واحد شخص تھا جو میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا۔"(۱۵)

سیاسی میدان میں آپ کی نظام مصطفیٰ کی آخری کوشش متحدہ مجلس عمل کی صورت میں عمل آئی۔اس وقت آپ عمر کے ۷۶ویں برس میں داخل ہو چکے تھے۔ملی یکجہتی کونسل جس کی

صدارت آپ ہی کے ہاتھوں میں تھی اب متحدہ مجلس عمل کی صورت اختیار کر چکی تھی۔منشور کا لب لباب اور خلاصہ اسلامی نظام کا نفاذ ہی تھا۔اس پیرانہ سالی میں بھی مولانا نے دینی جماعتوں کے ساتھ مل کر بھرپور کوشش کی اور پورے ملک میں برق رفتار الیکشن مہم چلائی۔جس کی بدولت متحدہ مجلس عمل اسمبلی میں حزب اختلاف کی صورت میں سامنے آئی۔جبکہ آپ نے خود انتخابات میں حصہ نہ لیا۔مجلس عمل کی کامیابی کے بعد ہی وقت کے فوجی حکمران پرویز مشرف کے دیے گئے عبوری آئین "ایل ایف او" پر بحث شروع ہوگئی۔مجلس عمل اور دیگر اپوزیشن جماعتوں نے ایل،ایف،او مسترد کر دیا۔مذاکرات ہوتے رہے لیکن سمجھوتا نہ کیا گیا حتیٰ کہ مجلس عمل اور حکومت کے درمیان کچھ معاہدات طے پا گئے کہ جلد ۱۹۷۳ء کے آئین کو بحال کر دیا جائے گا۔معاہدات پر صرف دستخط ہونا باقی تھے کہ ایک بار پھر کچھ نادیدہ قوتوں نے اس کو سبوتاژ کرنے اور ملکی مفاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔اس دوران آپ نے حکومت کو ڈیڈ لائن دی کہ ۱۸ دسمبر تک معاہدہ طے نہ پایا اور بے جا شرائط ختم نہ کیں تو حکومت کے خلاف عوامی ملک گیر تحریک چلائی جائے گی۔جس سے حکومت گھبراہٹ کا شکار ہوگئی۔اس دوران ان مذاکرات کے سلسلے میں آپ اسلام آباد ہی میں قیام پذیر تھے کہ اچانک ۱۱ دسمبر کو آپ حرکت قلب بند ہو جانے کے سبب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

مولانا شاہ احمد نورانی اور تحریک ختم نبوت

برصغیر پاک وہند میں برطانوی سامراج نے اپنی طاقت اور سازشوں کے ذریعے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تو جیت لی مگر وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہو چکا تھا کہ اس کے مظالم مسلمانوں کو تو کچل سکتے ہیں مگر ان کے باطن میں پوشیدہ روح اسلام یعنی "محبت رسول" کو نہیں مٹا سکتے۔اگرچہ یہ ہمیشہ ایسی کوششیں کرتے رہے ہیں مگر جانثاران محمد ﷺ اپنے قول، عمل اور جانی ومالی قربانیوں سے محبت رسول کو بہالے جانے کی کوششیں کرنے والے سیلاب وطوفان کے آگے بند باندھتے رہے اور امت مسلمہ کو اس سے خبردار کرتے رہے۔کبھی ان کے سامنے مولانا کفایت علی،مولانا غلام امام شہید،مولانا فضل حق خیر آبادی،مولانا عنایت اللہ کاکوروی،مفتی صدرالدین آزردہ،مولانا احمد اللہ مدراسی اور جنرل بخت رحمہم اللہ کی صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تحفظ ناموس رسالت کا جذبہ آڑے آجاتا۔ کہیں علامہ اقبال مسلمانوں کے قوت ایمانی پر حملہ کرنے والی ان کی خاموش اور شاطرانہ چالوں سے امت مسلمہ کو یوں آگاہ کرتے۔

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

بدقسمتی سے برصغیر کی سرزمین مسلم امہ کے خلاف اس طرح کے حربوں کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے انگریزوں کا ایک بہت بڑا فتنہ برصغیر میں قادیانیت کی بنیاد رکھنا ہے جو اس نے اپنے ایک قدیم اور وفادار خاندان کے چشم وچراغ مرزا غلام مرتضیٰ کے بیٹے مرزا غلام احمد قادیانی (جو مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا) کے ہاتھوں رکھی۔ مرزا قادیانی عربی اور فارسی کی چند کتب پڑھ کر "نیم ملا خطرۂ ایمان" کا عظیم ترین مصداق ثابت ہوا۔ اس نے بتدریج ملہم محدث، مامور من اللہ، مہدی، مثیل، مسیح ابن مریم، نبی، حامل صفات عزوجل اور اس کے علاوہ لاتعداد اور متضاد دعوے کئے۔ جو ۱۸۸۳ء سے لیکر ۱۹۰۸ء کے عرصہ تک محیط ہیں۔" (۱۶)

قادیانی خلیفہ مرزا محمود قادیانی نے بذات خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اور ان کی جماعت حکومت برطانیہ کے وفادار اور ان کے پٹھو رہے ہیں چنانچہ لکھتا ہے کہ "ہم نے ابتدائی سلسلے سے گورنمنٹ کی وفاداری کی۔ ہم ہمیشہ یہ فخر کرتے رہے کہ ہم ملک معظم کے وفادار ہیں۔ کئی نوکرے خطوط کے ہمارے پاس ایسے ہیں جو میرے نام یا جماعت کے سیکریٹریوں کے نام یا افراد و جماعت کے نام ہیں۔ جن میں گورنمنٹ نے ہماری جماعت کی وفاداری کی تعریف کی۔ اسی طرح ہماری جماعت کے پاس کئی نوکرے تمغوں کے ہیں۔ ان تمغوں کے جنہوں نے اپنی جانیں گورنمنٹ کے لئے فدا کیں۔ یہ اتنے نوکرے ہیں کہ ایک افسر کے وزن سے بھی ان کے وزن زیادہ ہیں۔ (۱۷)

مرزا محمود نے اپنی زندگی میں یہ اقرار کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کی کہ قادیانی جماعت احمدیہ نے ہمیشہ ہر اس سیاسی اور مذہبی تحریک کی مخالفت کی جس نے برصغیر میں مسلمانوں کی آزادی یا حقوق کے لئے کوشش کی۔ چنانچہ لکھتا ہے "۱۹۰۷ء کی پہلی منظم

مزاحمت، تقسیم بنگال کے بعد شروع ہونے والی بدامنی، ۱۹۰۳ء میں تحریک مسجد کانپور، اور پہلی ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء، دوسری ۱۹۳۰ء، تیسری ۱۹۳۲ء میں عدم تعاون کی کانگریسی تحریکوں، ان سب کا بھرپور مقابلہ کیا گیا۔ (۱۸)

انگریز کی وفاداری کے لئے مسلمانوں میں انتشار پھیلانے حتیٰ کہ حصول پاکستان کے لئے بھی ان کی کھڑی کی گئی رکاوٹیں اور مخالفتیں تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ "جنوری ۱۹۳۵ء میں قادیانی خلیفہ مرزا محمود نے "آل انڈیا نیشنل لیگ" کے نام سے ایک سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا۔ جس کا مقصد قائد اعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں برصغیر کی واحد نمائندہ جماعت "آل انڈیا مسلم لیگ" کی سیاسی حیثیت اور قوت کو نقصان پہنچا کر اسے تقسیم کرنا تھا۔ لاہور میں اس جماعت کا مرکزی دفتر قائم کیا گیا اور شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ قادیانی کو اس نوزائیدہ سیاسی جماعت کا پہلا صدر مقرر کیا گیا۔ (۱۹)

بدقسمتی سے پاکستان بننے اور بعد کے مراحل میں بھی قادیانیوں کے پاکستان مخالف ہونے کے باوجود انگریزوں کے دباؤ پر ان کو عہدے دینے پر مجبور کیا گیا۔ ڈاکٹر صفدر محمود کے مطابق بانی، پاکستان کو برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی خاطر بعض ناگوار معاہدات اور شرائط پر مجبوراً دستخط کرنا پڑے۔ آپ کے پاس وقت کم تھا اور کام زیادہ تھا۔ انہوں نے غلامی پر لولے لنگڑے پاکستان کو ترجیح دی۔ ان کے نزدیک آزادی کا پروانہ ہی مل جانا محرومیوں کا مداوا تھا۔ اس لئے قائد اعظم محمد علی جناح جان چکے تھے کہ ان کی جیب میں کھوٹے سکے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ انگریز وائسرائے نے ظفر اللہ قادیانی کی تقرری پر بہت زیادہ اصرار کیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ جب تک یہ اعلان نہیں کیا جاتا اختیارات کی منتقلی نہیں ہو سکے گی...... ان ہی مسائل کے سبب قائد اعظم نے چودھری ظفر اللہ قادیانی کے علاوہ جنرل سر ڈگلس گریسی کو پاکستان کی فوج کا کمانڈر انچیف اور سردار جوگندر ناتھ منڈل کو پاکستان کا پہلا وزیر قانون مقرر کیا تھا۔ (۲۰) بہر حال حقائق کچھ بھی ہوں لیکن ظفر اللہ قادیانی کی بطور وزیر خارجہ نامزدگی کے حوالے سے قائد اعظم محمد علی جناح جیسی عظیم شخصیت تمام شکوک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اور اس کا ثبوت آپ کا اخلاص جذبہ خیر خواہی اور مسلمانان برصغیر کے روشن مستقبل کی خاطر بے مثال عملی جدوجہد ہے۔ قائد اعظم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی میں قادیانیوں کو کھل کر اپنا کھیل کھیلنے کا موقع نہیں ملا حقائق بتاتے ہیں کہ قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ کے مشکوک اور خطرناک ملک دشمن عزائم سے آگاہ ہو چکے تھے اور اس بات کا اظہار راجہ صاحب محمود سے ۱۹۴۸ء میں کراچی آمد کے موقع پر بھی کیا تھا کہ "میں اس پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہوں اور مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔۔۔شومئی قسمت کہ فرشتہ قضاء نے قائد اعظم کو مہلت نہ دی۔

محمد احمد ترازی نے اپنی تحقیق میں ظفر اللہ قادیانی کے کردار اور اس کے دور میں وزارت خارجہ کی کارکردگی کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد جو نتیجہ نکالا اور بے لاگ تبصرہ کیا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں ظفر اللہ قادیانی پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ بنا۔اس نے پاکستان جیسی اسلامی ریاست کے بنیادی نقطۂ نظر سے ہٹ کر اپنے غیر ملکی آقاؤں کے حکم اور اپنی جماعت کے زاویہ کے مطابق پاکستان کی خارجہ پالیسی بنائی۔چودھری ظفر اللہ قادیانی کے کردار اور اس کے دور میں وزارت خارجہ کی کارکردگی کا جائزہ لینے سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

☆چودھری ظفر اللہ قادیانی اپنے دور وزارت میں پارلیمنٹ آنے سے گریز کرتا تھا اور زیادہ تر وقت پاکستان سے باہر گزارتا تھا۔

☆چودھری ظفر اللہ قادیانی کے دور وزارت میں وزارت خارجہ سے محب وطن افراد کو نکال کر قادیانی افراد کو وسیع پیمانے پر بھرتی کیا گیا تھا۔

☆پاکستان کی خارجہ پالیسی پاکستان کے مفاد اور نقطۂ نظر کے بجائے قادیانی جماعت کے مفاد اور تحفظ کو مدنظر رکھ کر بنائی گئی۔

☆غیر ممالک میں وزارت خارجہ کے دفاتر کو قادیانیت کی تبلیغ اور جاسوسی کے اڈوں میں تبدیل کیا گیا۔

☆مسلم عرب ممالک سے رشتہ اخوت مستحکم کرنے کے بجائے انہیں پاکستان سے بدظن کیا گیا اور پاکستان سے دور کرنے کی پالیسی اختیار کرنے کے ساتھ عربوں کی جاسوسی کے لئے مختلف ممالک میں قادیانی سیل قائم کئے گئے۔

☆پاکستان کے ہمسایہ ممالک سے جان بوجھ کر تعلقات کشیدہ کئے گئے۔

☆مسئلہ کشمیر کو جان بوجھ کر خراب کیا گیا تاکہ اس مسئلہ کا کوئی پائیدار حل تلاش نہ کیا جا سکے۔

☆چودھری ظفر اللہ قادیانی پاکستان کے وزارت خارجہ کی حیثیت سے تنخواہ پاکستان کے قومی خزانے سے لیتا تھالیکن کام وہ اپنی قادیانی جماعت کے لئے کرتا تھا۔(۲۱)

اقتصادی ماہرین کے مطابق پاکستان کے باسیوں کی ناراضگی کا سب سے بڑا سبب تفریق معیشت اور محکمہ مال کی غلط منصوبہ بندیاں تھیں۔مشرقی پاکستان کی معاشی بد حالی اور غلط منصوبہ بندی کا اصل محرک سیکریٹری مالیات مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا ایم۔ایم احمد تھا۔جس نے مالی مشیر سیکریٹری فنانس اور منصوبہ بندی کے ڈپٹی چیئرمین کی حیثیت سے مشرقی پاکستان کی غریب اور مصیبت زدہ عوام کو ان کے جائز حق سے بھی محروم رکھا اور ہر موقع پر ان کو دبانے کی کوشش کی۔اس بے بسی اور مایوسی کی فضا نے مشرقی پاکستان کے رہنے والوں کے لئے پاکستان سے بیزاری اور بغاوت کے دروازے کھول دیئے۔یہ حقیقت ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی وہ واحد سیاستدان تھے جنہوں نے ایم۔ایم احمد کی غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خطرے کی نشاندہی سب سے پہلے کی اور حکومت کو متنبہ کی کہ ایم۔ایم احمد کی متعصبانہ پالیسیوں کی وجہ سے ملک ٹوٹ جائے گا۔انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا تھا کہ نئی دہلی اور تل ابیب میں پاکستان توڑنے کے لئے ایک خوفناک سازش تیار کی گئی ہے۔اور ایم۔ایم احمد سامراجیوں کی طرف سے پوری سرگرمی سے اس میں ملوث ہیں۔عوامی لیگ کی قیادت اور مغربی پاکستان کے سرکردہ رہنماؤں نے بھی اس کڑے وقت میں مشرقی پاکستان میں ایم۔ایم احمد کی موجودگی پر کڑی تنقید کی اور پاکستان کو تقسیم ہونے سے بچانے کی کوششوں میں رخنہ اندازی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔مگر افسوس کہ حکومت نے تمام تر نشاندہی کے باوجود توجہ نہ دی اور ایم۔ایم احمد کو اس کے عہدہ سے برطرف نہیں کیا۔جس کا نتیجہ مشرقی بازو کی علیحدگی کی صورت میں نکلا۔۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کا دن سقوط ڈھاکہ کا سورج لے کر طلوع ہوا۔پاکستان کا ٹوٹ جانا مسلم امہ کے لئے ایک المناک سانحہ سے کم نہیں تھا۔اپنی قوم سے بچھڑنے کے غم میں پوری قوم غم سے نڈھال تھی۔عوام مشرقی پاکستان میں باعث شکست بننے والے عوامل کی تحقیقات کا مطالبہ کر رہے تھے۔پورے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغربی پاکستان میں جنرل یحییٰ خان، ایم ایم احمد اور اس سازش میں ملوث سول وفوجی مشیروں کے خلاف مقدمہ چلانے کے لئے بڑے بڑے جلوس نکالے جارہے تھے۔لیکن ادھر قادیانی اخبار "الفضل" سقوط ڈھاکہ کو ایک عارضی شکست قرار دیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ "پاکستان میں جو اہم سیاسی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں وہ اندھیرے میں روشنی کی کرن کی طرح ہیں" (۲۲)

پاکستان بننے سے لے کر پاکستان ٹوٹنے تک اہل حق قادیانیوں کی نقب زنی میں لگے رہے۔عوام کو ان کی سازشوں سے باخبر اور حکومت وقت کو ان کے خلاف اقدامات کرنے پر ابھارتے رہے ہیں۔چنانچہ ۱۹۵۲ء میں مختلف مسالک کے علماء نے وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی کا حکومت کو بلیک میل کرکے شہر کراچی میں قادیانیوں کا جلسہ کرنے اور دوران تقریر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کے ردعمل میں ۲جون کو تھیو سوفیکل ہال کراچی میں "آل پارٹیز مسلم پارٹیز کانفرنس منعقد کرائی جس کی صدارت علامہ سید سلمان ندوی نے کی اور گیارہ رکنی بورڈ تشکیل دے کر ایک تحریک کا آغاز کیا گیا ان گیارہ اراکین میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء کے علاوہ اہل سنت وجماعت کے علامہ عبدالحامد بدایونی،صاحبزادہ خان اور علامہ شاہ احمد نورانی (جن کی عمر اس وقت ۲۶ سال تھی) شامل تھے۔اس تحریک کے لئے پہلی بار حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ

ا۔حکومت احمدیوں (قادیانیوں) کو غیر مسلم قرار دے۔

۲۔چودھری ظفر اللہ خان کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کرے۔

۳۔احمدیوں (قادیانیوں) کو تمام کلیدی آسامیوں سے برطرف کیا جائے۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے علماء بورڈ کے بنیادی رکن کی حیثیت سے "۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو کراچی میں جناب الحاج محمد ہاشم گزدر کے گھر پر منعقدہ اجلاس میں شرکت کرکے اس تحریک کے نتیجے میں ان گیارہ اراکین کی دعوت پر اسی سال ۱۳ جولائی کو ایک ہنگامی اجلاس میں ہزاروں علماء کرام نے لاہور کے برکت علی محمڈن ہال میں جمع ہوکر "مجلس عمل تحفظ ختم نبوت" کی بنیاد رکھی۔جس کا صدر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (خلیفہ مجاز مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی) کو منتخب کیا گیا۔اور ہر مکتبہ فکر کے جید علماء کرام کو عہدیداران میں شامل کیا گیا۔اور

حکومت وقت سے دوبارہ اس مطالبہ کا اعادہ کیا گیا اور اس کے ساتھ اس مشن کو عزم مصمم کے ساتھ آگے بڑھانے کا عہد کیا گیا۔(۲۲)

مولانا شاہ احمد نورانی نے علماء بورڈ کے بنیادی رکن کی حیثیت سے "۱۳ جولائی ۱۹۵۲ کو کراچی میں جناب الحاج محمد ہاشم گزدر کے گھر پر منعقدہ اجلاس میں شرکت کرکے "آل پاکستان پارٹیز کنونشن" کے انعقاد کے پروگرام کو حتمی شکل دینے میں دیگر علماء کرام کی معاونت فرمائی۔اس اجلاس میں پاکستان کی چودہ مذہبی جماعتوں جمعیت علمائے پاکستان،جمعیت اہل سنت،حزب اللہ (مشرقی پاکستان)،تنظیم اہلسنت والجماعت،جمعیت علماء اسلام،مجلس تحفظ ختم نبوت،مجلس احرار الاسلام،جمعیت اہل حدیث،جماعت اسلامی،جمعیت الفلاح،موتمر اہلحدیث پنجاب،سفینۃ المسلمین،جمعیت العربیہ،ادارہ تحفظ حقوق شیعہ کو دعوت نامہ جاری کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔(۲۳)

مولانا شاہ احمد نورانی اس زمانے میں علامہ حامد بدایونی کے نائب کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ جمعیت علمائے پاکستان سندھ کے سیکریٹری نشرواشاعت بھی تھے۔۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مولانا شاہ احمد نورانی علماء بورڈ کے ممبر ہونے کے علاوہ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت سندھ کے جنرل سیکریٹری بھی تھے۔آپ فرماتے ہیں "مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری،مولانا عبدالحامد بدایونی،مولانا سید محمد داؤد غزنوی،سید عطاء اللہ شاہ بخاری، کفایت حسین، سید مظفر حسین کشفی اور تمام مکاتب فکر کے دیگر علماء کرام اس میں شامل تھے۔یہ فقیر بھی سندھ کی مجلس عمل کا جنرل سیکریٹری تھا۔بالآخر اس تحریک کا مرکز مسجد وزیر خان اندرون دروازہ لاہور بنی۔جہاں ابوالحسنات سید محمد احمد قادری خطیب تھے۔اور کراچی میں جامع مسجد آرام باغ جہاں کے خطیب تاج العلماء مفتی عمر نعیمی تھے تحریک ختم نبوت کے جانثاروں اور جانبازوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔لاہور میں پہلا مارشل لاء لگا۔سینکڑوں عاشقان مصطفیٰ نے سینے پر گولیاں کھائیں اور جام شہادت نوش کیا۔سینکڑوں علماء کو سلاسل پابند کیا گیا۔تین علماء کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔جس میں اہلسنت کے دو مقتدر سید خلیل احمد قادری اور مجاہد ختم نبوت علامہ عبدالستار خان نیازی تھے۔الحمدللہ! نہ کسی نے معافی نامے داخل کئے اور نہ کسی نے جان بخشی کی اپیل کی۔سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے عزیمت واستقامت کا مظاہرہ کیا۔اور پرچم نبوت وناموس مصطفیٰ کو زندہ رکھا۔" (۲۴)

اگرچہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء انتہائی قربانیوں کے باوجود اپنوں کی بیگانگی اور کہیں ذاتی اغراض کی تکمیل اور حکومت کی نہ صرف عدم توجہی بلکہ مخالفت کی وجہ سے ناکامی کی اوٹ میں چلی گئی لیکن اپنے مشن کی تکمیل کو پورا کرنے والوں کے دلوں میں جذبہ حب الوطنی،اور اسلام پر اپنی جان نچھاور کرنے والوں کو آرام سے نہ بیٹھنے دیتی تھی۔ جناب نثار حسین ریسرچ اسکالر ،علوم اسلامی، جامعہ کراچی اپنے تحقیقی مقالے میں لکھتے ہیں "قیام پاکستان کے بعد علماء مشائخ نے ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف تحریک چلائی۔لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکی۔اس کے باوجود علمائے حق نئی حکمت عملی سے اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے سرانجام دیتے رہے۔اور ہر محاذ پر قادیانوں کے سامنے سینہ سپر رہے۔وہ علماء جنہوں نے حق کی آواز کو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی ناکامی کے بعد دوبارہ بلند کیا ان میں روشن وتابندہ نام مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کا ہے۔جنہوں نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے بھرپور طریقے سے عملی جدوجہد جاری رکھی۔قادیانیوں کے خلاف تحریک چلائی اور ان کی ہر موڑ پر مخالفت کرتے رہے۔مولانا کو قادیانیوں کی مخالفت کرنا ورثہ میں ملی تھی۔ان کے والد مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قادیانیوں کے اہم مخالفین میں سے تھے۔انہوں (مولانا نورانی) نے افریقہ،یورپ،سیلون،انڈونیشیا،برما اور عرب ریاستوں میں قادیانیت کے خلاف مہم چلائی اور ان کے رد میں انگریزی زبان میں کتاب لکھی۔جس کا نام "The Mirror" ہے۔اس کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ "المرآۃ" کے نام سے ہوا۔ اس کتاب کے علاوہ انہوں نے ایک کتاب اردو میں بھی تحریر کی۔جس کا نام مرزائی حقیقت کا اظہار ہے۔اس کتاب کا ملائیشیا کی زبان میں ترجمہ ہوا تو وہاں قادیانیوں کے خلاف زبردست تحریک چلی۔جس کے بعد ملائیشیا میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔چنانچہ مولانا نورانی نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قادیانیوں کی مخالفت کی۔اور ہمیشہ ان کے آگے آہنی چٹان کی مانند کھڑے رہے۔" (۲۵)

مولانا شاہ احمد نورانی اور آپ جیسے ہم خیال لوگ اپنے مشن پر مسلسل کام کرتے رہے آپ نے مشرقی پاکستان کے بدترین حالات اور قادیانیوں کے ملک دشمن عزائم سے لوگوں کو

آگاہ کرنے کے لئے ۱۹ مارچ ۱۹۷۱ء کو آرام باغ کراچی میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کیا جس میں آپ نے کہا کہ "انگریز استعمار کی پیداوار مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں نے پاکستان کے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔اور میں پوری ذمہ داری سے یہ اعلان کررہا ہوں کہ قادیانیوں نے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا جو پروگرام ترتیب دیا ہے۔اس کا پہلا مرحلہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہے بر سر اقتدار ٹولہ اور مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعت ان کی آلہ کار بن گئی ہے۔اور اب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا آخری راؤنڈ شروع ہونے والا ہے۔مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی شروع کی جائے گی اور بھارت مداخلت کرے گا۔اس سلسلے میں ایم۔ایم احمد اور سورن سنگھ کے درمیان حال ہی میں نیویارک میں ملاقات ہوئی ہے۔ایم۔ایم احمد نے گزشتہ ہفتہ کراچی میں ہاتھ آئی لینڈ کے ایک بنگلے میں ملک کی بعض اہم شخصیات سے ملاقات کرکے انہیں اس بات پر قائل کیا ہے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان پر ایک بوجھ ہے اور اس کا آمدنی میں حصہ محض نو فیصد ہے۔قادیانیوں کا اس ضمن میں بھارت اور اسرائیل سے رابطہ ہے۔(۲۶)

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے بعد ملک میں موجود سیاسی گھٹن کے باوجود مولانا شاہ احمد نورانی ارباب حل وعقد تک قادیانیوں کے بارے میں قوم کا موقف پیش کرتے رہے۔۷اپریل ۱۹۷۱ء کو آپ نے جنرل یحییٰ خان کے نام ایک کھلا خط لکھا جس میں مشرقی پاکستان میں کی جانے والی ناعاقبت اندیشی کا ذکر کرتے ہوئے۔قادیانیوں اور خصوصاً ایم۔ایم احمد کی وطن دشمن سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کیا گیا تھا۔اکتوبر ۱۹۷۱ء میں مولانا شاہ احمد نورانی نے ملک کے مسائل کے حل کے لئے ایک پانچ نکاتی فارمولا پیش کیا۔جس کو ملک گیر پذیرائی حاصل ہوئی۔اس پانچ نکاتی فارمولے کو اس وقت کے حالات کے تناظر میں بہترین حل قرار دیا جاسکتا ہے۔" آپ کے ان پانچ نکاتی فارمولے میں قادیانی مسئلہ بھی سرفہرست تھا۔مولانا نے اس مسئلہ کو کبھی بھی پاکستان کی سالمیت سے الگ تصور نہیں کیا۔بلکہ ہمیشہ اس مسئلہ کا حل پاکستان کے استحکام سالمیت واساس کے لئے لازمی سمجھا۔آپ کے پیش کردہ وہ پانچ نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ اقتدار عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے حوالے کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ مشرقی پاکستان کے سیاسی مسئلہ کا سیاسی حل پیش کیا جائے۔

☆ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

☆ قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

☆ ۱۹۵۶ء کے دستوری مسودے دستور کی بنیاد کے طور پر اختیار کیا جائے۔(۲۷)

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی چونکہ نوجوانی میں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں جید اکابر علماء اہلسنت کے ساتھ مرکزی کردار ادا کر چکے تھے تحریک کی ناکامی کے اسباب وعوامل سے پوری طرح واقف تھے۔جوں ہی آپ کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں آنے کا موقع ملا آپ نے تحفظ ختم نبوت اور عظمت مصطفےٰ ﷺ کو مملکت کا قانون بنانے اور اس کو آئینی تحفظ دینے کے لئے کام شروع کردیا اور اس سفر کی کامیاب ابتدا آئین میں مسلمان کی تعریف کی شمولیت ،ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ،دیگر اسلامی دفعات کو آئینی تحفظ دینے کے علاوہ عائلی قوانین کی تنسیخ ،تینوں مسلح افواج کے سربراہوں کے لئے مسلمان ہونے کی شرط ،فتنہ ارتداد کو روکنے کی ضمانت حاصل کرنے اور پاکستان کے دستور کو دوقومی نظریے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش سے ہو چکی تھی اور آپ اپنے اہداف پر نظر رکھے ہوئے مرحلہ وار منزل کی جانب رواں دواں تھے۔

کو کہ آپ سے پہلے مختلف مکاتب فکر کے کئی علماء کرام پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر رہ چکے تھے۔لیکن انہوں نے کبھی بھی فتنہ مرزائیت کے خلاف اسمبلی کے اندر ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ یہ بات پاکستان کی تاریخ کے سیاسی ریکارڈ پر موجود ہے کہ پاکستان میں پہلی قومی اسمبلی کے ممبر دارالعلوم دیوبند کے سابقہ شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی نے اسمبلی میں ایک لفظ بھی قادیانیت کے خلاف نہیں بولا اور نہ ہی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی کوئی قرار داد پیش کی ،اسی طرح ۱۹۶۲ء میں صدر ایوب خان کے کرائے گئے انتخابات میں جمعیت علماء اسلام کے مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی اور مولانا غلام غوث ہزاروی صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔جمعیت علماء اسلام کے یہ دونوں حضرات پانچ سال تک قومی اسمبلی کے ممبر رہے۔قومی اسمبلی کا ریکارڈ آج بھی اس بات کا گواہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے پانچ سال کے دوران اسمبلی فلور پر تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے کوئی احتجاج ریکارڈ نہیں کرایا (جبکہ یہ

حضرات تحفظ ختم نبوت کی گزشتہ تحریک میں کسی نہ کسی حوالے سے شریک رہے ہیں) اس کے برعکس علامہ شاہ احمد نورانی نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں اپنے پہلے ہی خطاب میں آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کرنے کا مطالبہ کیا اور یہ کہہ کر کہ ”جو لوگ حضور اکرم ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتے ہم ان کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے“ قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک کا آغاز کر چکے تھے۔(۲۸)

صدر مملکت ووزیر اعظم پاکستان کے مسلمان ہونے اور مسلمان کی تعریف پر مشتمل حلف کے آئین میں شامل ہونے سے مرزائیوں اور ان کے خلیفہ مرزا ناصر کو سیخ پا کر دیا اور اسے مستقبل کے بارے میں تشویش لاحق ہو گئی تھی۔انہیں یقین ہو گیا تھا کہ دستور میں مسلمان کی تعریف شامل ہو جانے کے بعد وہ قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار پا چکے ہیں اور اب دیر یا سویر ان کے غیر مسلم اقلیت ہونے کا صرف اعلان ہونا باقی ہے۔آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف قرار داد کی منظوری نے ان کے تمام خدشات کو یقین میں بدل دیا تھا۔اور انہیں محسوس ہونے لگا تھا کہ عنقریب اب پاکستان کی قومی اسمبلی میں موجود علماء ان کے مستقبل کے بارے میں قرار داد پیش کر کے ان کے لئے رہے سہے باقی تمام راستے بھی بند کر سکتے ہیں ۔اس صورت حال نے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر کو مشتعل کر دیا اور اس نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں کشمیری مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پاکستانی مسلمانوں کو بھی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرانے کی کوشش کی ۔اس کتابچہ میں اس نے مسلمانوں کو گیدڑ سے تشبیہ دی جو لومڑی کی کھال پہن کر اپنی کھو سے باہر نکل آئے ہیں ۔مرزا ناصر نے اپنی قادیانی جماعت کو ایک شیر کی مانند قرار دیا جو ان سب کو کھا جائے گا۔

علامہ شاہ احمد نورانی نے قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی پوری پیش بندی کر لی تھی۔اور آنے والے وقت میں قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکنے کی پوری تیاری کر چکے تھے۔اس مقصد کے لئے آپ نے حکومتی اور عوامی سطح پر رائے عامہ ہموار ومنظم کرنے کا کام شروع کردیا اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔(۲۹)

مولانا شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں ہم نے علماء دیوبند سے درخواست کی کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قادیانیوں کے مسئلے پر ہمارا ساتھ دیں چنانچہ " ۱۹۷۴ء میں ہم نے ایک میٹنگ بلائی۔مدرسہ قاسم العلوم شیرہ والا گیٹ میں ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی،اس میں مولانا یوسف بنوری صدر تھے اور مولانا سیّد محمود احمد رضوی جنرل سیکریٹری تھے۔دونوں نے مشترکہ طور پر تحریک چلائی جبکہ قومی اسمبلی میں ہم لڑتے رہے۔ختم نبوت کے مسئلے پر اس سے پہلے ۱۹۵۳ء میں بھی ہمارا اتحاد ہو چکا تھا۔اور ہم مل کر کام کرتے رہے۔(۳۰)اس کانفرنس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کی شاطرانہ حکمت عملی کی وجہ سے تحریک کا رخ حکومت کی طرف مڑ جانے کی وجہ سے جو نقصانات ہوئے ان کو سامنے رکھتے ہوئے اس مرتبہ تحریک کے اصل ہدف قادیانیت کی جانب ہی رکھا جائے گا۔اور حکومت سے براہ راست تصادم سے ہر ممکن گریز کیا جائے گا۔اس کنونشن میں مولانا محمد یوسف بنوری کو مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا کنوینر منتخب کیا گیا اور مجلس عمل کے آئندہ اجلاس میں دیگر عہداداروں کو منتخب کرنے کا فیصلہ کر کے کنونشن میں شامل تمام مذہبی وسیاسی جماعتوں سے ۲ نمائندے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے لئے منتخب کئے گئے۔(۳۱)

اس اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا تھا کہ اگر حکومت نے مجلس عمل کے مطالبات جمعرات ۱۳ جون تک تسلیم نہ کئے تو ۱۴ جون بروز جمعہ ملک گیر ہڑتال کی جائے گی۔مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے مرکزی کنوینر مولانا محمد یوسف بنوری اور جمعیت علمائے پاکستان کے جنرل سیکریٹری مولانا عبدالستار خان نیازی نے پریس کانفرنس سے خطاب میں کنونشن کے فیصلوں سے آگاہ کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ صدر اور وزیر اعظم کے حلف کو پیش نظر رکھتے ہوئے قادیانی فرقہ کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے ۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے اور ربوہ میں دیگر مسلمانوں کو آباد ہونے کی اجازت دی جائے.........انہوں نے ۱۴ جون کی ہڑتال کو کامیاب بنانے اور مجلس عمل کی شاخیں پورے ملک میں قائم کرنے کی ہدایات جاری کیں۔اس اپیل پر پاکستان کی تاریخی اور مکمل پر امن ہڑتال کی گئی۔تمام چھوٹے بڑے شہروں میں مجلس عمل نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے حق میں جلسے جلوس کا اہتمام کیا ۔ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے لئے یہ پر امن تاریخی مظاہرہ ملت اسلامیہ کے قومی مطالبے کی صداقت اور عوامی اتحاد کا مظہر تھا۔یہ عظیم الشان ہڑتال قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت

قرار دینے کے مسئلہ پر عوام پاکستان کی جانب سے ایک ریفرینڈم کی حیثیت رکھتی تھی۔

اس مرتبہ بھی گذشتہ کی طرح مسلمانوں کے صبر کو آزمانے کی کوشش کی گئی ۔مختلف طریقوں سے ڈرایا اور دھمکایا گیا مگر گرفتاریاں ہوئیں ۔علماء کرام ،عہدیداران، اراکین اور تحریک کے جانثاروں کو پابند سلاسل کیا گیا۔ ناموس رسالت پر جان کی قربانیاں دی گئیں۔لیکن کوئی بھی حربہ ان باعزم مسلمانوں کے قدموں کو متزلزل نہ کر سکا۔ اب ان پائے استقلال میں جنبش آنے والی نہ تھی اور نہ ہی یہ قدم پیچھے ہٹ سکتے تھے اس لئے کہ اب ان میں پہلے سے زیادہ جذبہ تھا۔چنانچہ "۱۹ جون ۱۹۷۴ء کو سرحد اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک قرار داد منظور کرتے ہوئے وفاقی حکومت سے سفارش کی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔اور اس مقصد کے لئے آئین میں ترمیم کی جائے۔قرار داد میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ ایسا انتظام کیا جائے اور تحفظ دیا جائے کہ قادیانی سیاسی اور انتظامی شعبوں میں اپنا اثر ورسوخ استعمال نہ کر سکیں لہذا یہ ایوان وفاقی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کے اس متفقہ مطالبہ کو منظور کرتے ہوئے مرزائیوں کے تمام فرقوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔" یہ قرار داد جمعیت علماء اسلام کے رکن مولانا حبیب گل نے پیش کی تھی۔جس کی حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں کے اراکین نے حمایت کی تھی۔(۳۲)

۲۳ جون کو سندھ اسمبلی کے قائد حزب اختلاف پروفیسر سید شاہ فرید الحق ،رکن اسمبلی ظہور الحسن بھوپالی ،مولانا محمد حسن حقانی،حاجی زاہد علی،مفتی محمد حسین قادری،بوستان علی ہوتی،افتخار احمد،نواب مظفر حسین،صوفی رحیم بخش،سرور علی،قطب شاہ،اور خلیفہ حاکم نے قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے سلسلے میں ایک قرار داد پیش کرنے کا نوٹس دیا۔جس میں کہا گیا کہ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا ہے کہ جو لوگ ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتے ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں اور قومی اسمبلی میں ۳۰ جون کو اس مسئلہ پر غور کیا جائے گا۔اس لئے صوبہ سرحد اسمبلی کی طرح سندھ اسمبلی بھی وفاقی حکومت سے یہ سفارش کرتی ہے کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے اور قادیانیوں کی سرگرمیوں کے بارے میں تحقیقات کی جائے اور قادیانیوں کو تمام کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔(۳۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پنجاب اسمبلی کے اسپیکر رفیق احمد نے حزب اختلاف کے ارکان کی جانب سے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے سے متعلق پیش کردہ قرارداد پر بحث کرنے کی اجازت نہیں دی چنانچہ "۲۷ جون کو حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے ستر (۷۰) ارکان کی جانب سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد کو ایوان میں زیر بحث لانے سے انکار کردیا۔ جس پر حزب اختلاف کے ارکان نے ایوان میں "ختم نبوت زندہ باد" اور "قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دو" کے نعرے لگائے۔ بعد میں حزب اختلاف نے ایک پریس کانفرنس میں قرارداد کا متن اور ستر اراکین کے نام پیش کئے جنھوں نے قرارداد کی حمایت کی۔" (۳۴)

۲۹ اپریل ۱۹۷۳ء کو کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد کی منظوری اور ۶ تا ۱۰ اپریل ۱۹۷۴ء کو مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر انتظام ایک سو چالیس مسلم تنظیموں اور اداروں کے نمائندوں کی کانفرنس متفقہ طور پر قادیانیوں کے خلاف ملت اسلامیہ کا واضح موقف پیش کرکے پہلے ہی راہ عمل متعین کر چکی تھی۔

مولانا شاہ احمد نورانی جو کہ تمام حالات و واقعات کا باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے اور سانحہ ربوہ کے وقوع پزیر ہونے کے بعد سے اب تک ہونے والے واقعات آپ کے علم میں تھے۔ اس دوران آپ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم کو منظم کرکے عوامی محاذ گرم کرچکے تھے سندھ اور پنجاب اسمبلی میں قادیانیوں کے خلاف اراکین صوبائی اسمبلی کا موقف اور حکومتی رویہ آپ کے سامنے آچکا تھا۔ اس کے برخلاف اراکین سرحد اسمبلی کی جذبہ ایمانی سے مزین، وفاقی حکومت سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی سفارش بھی آپ کے علم میں تھی۔ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی اپیل پر ۱۴ جون ۱۹۷۴ء کی کامیاب ہڑتال نے حکومت پر عوامی موقف واضح کر دیا تھا۔ ملت اسلامیہ پاکستان کا ہر ہر فرد تحریک ختم نبوت کا چلتا پھرتا سپاہی بن چکا تھا۔ اور سندھ سے لے کر کشمیر تک ہر مسلمان پاکستان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ حکومت فی الفور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے۔ ان کو کلیدی عہدوں سے برطرف کرے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دے۔

مولانا شاہ احمد نورانی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لئے اس محاذ

کو اور مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ حکومت اس معاملے میں جو پس وپیش کررہی ہے اور اسے وقت ضائع کرکے سرد خانے میں ڈالنا چاہتی ہے، اس سے باز رہے۔ اور حکومت کو اس سے راہ فرار اختیار کرنے سے روکا جائے۔ اس معاملے میں مولانا حکومت سے کسی قسم کی ٹکر لینے کے مخالف تھے اس لئے کہ پچھلی تحریک کی غلطیوں سے سبق سیکھ چکے تھے۔ آپ کی ہر ممکن کوشش تھی کہ ہر طرح سے حکومت کو اس پر قائل کیا جائے اور تحریک کے رخ کو کسی سازش کے تحت کوئی دوسرا رخ اختیار کرنے سے بچایا جائے۔ اور حکومت کو آمادہ کیا جائے کہ یہ ہمارا صرف مذہبی مسئلہ نہیں بلکہ ملکی وقومی سلامتی کا مسئلہ ہے۔ اس سلسلے میں آپ رابطہ عالم اسلامی سے مکمل رابطے میں تھے جو کہ ایک قرارداد کے ذریعے پہلے ہی قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے چکے تھے۔ آپ اس قرارداد کی ایک کاپی کے انتظار میں تھے۔ علاوہ ازیں آپ اپنے طور پر بھی پہلے سے ہی ایک قرارداد قومی اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے تیار کر چکے تھے۔

اس قرارداد کے حوالے سے مولانا اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ "اس سال میں ورلڈ مشن کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گیا۔ ان دنوں مکہ معظمہ میں رابطہ عالم اسلامی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ ورلڈ اسلامک مشن کانفرنس کی وجہ سے میں اس وقت مکہ معظمہ نہیں جا سکا۔ لندن سے فارغ ہو کر میں مکہ معظمہ حاضر ہوا۔ حاضری کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ وہاں سے رابطہ عالم اسلامی کی وہ قرارداد حاصل کروں جو انہوں نے قادیانیوں کے بارے میں متفقہ طور پر منظور کی تھی۔ ۲۶ مئی کو یہ قرارداد لے کر پاکستان پہنچا تو قادیانیوں کا مسئلہ شروع ہو چکا تھا۔ ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد کی روشنی میں قومی اسمبلی کیلئے ایک قرارداد مرتب کی۔ جس میں حزب اختلاف کی تمام جماعتوں کا مشورہ شامل تھا۔ (۳۵)

مولانا شاہ احمد نورانی کی تیار کردہ اس قرارداد پر ابتداء میں حزب اختلاف کے بائیس ۲۲ اراکین نے دستخط کئے۔ بعد میں یہ تعداد بڑھ کر سینتیس ۳۷ ہو گئی۔ اس تاریخ ساز قرارداد کو علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں پیش کیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ "یہ قسمت کی بات ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس سے چاہے کام لے لے اور جس کو چاہے محروم کردے۔ عبدالولی خان جیسے افراد نے بلاتردد صرف ہمارے کہنے پر فوراً دستخط کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیئے۔غوث بخش بزنجو نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور بلا تامل دستخط کر دیئے۔لیکن جمعیت علماء اسلام کے مولوی غلام غوث ہزاروی اور مولوی عبدالحکیم بار بار کہنے کے باوجود یہ سعادت حاصل نہ کر سکے۔‘‘(۳۶)

قومی اسمبلی میں قرار داد کا پیش ہونا تھا کہ حکومت اور قادیانیت کے ایوان میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔قرار داد کے پیش کرنے پر بھٹو صاحب مولانا شاہ احمد نورانی سے خفا تھے۔ان کا موقف تھا کہ مولانا نے خواہ مخواہ ان کے لئے مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ ’’میں صاحبزادہ فاروق علی خان کے چیمبر میں ان سے ملا اس وقت وہاں عبدالحفیظ پیر زادہ بھی موجود تھے بھٹو صاحب اس لئے پریشان تھے کہ میں نے قرار داد کا مسودہ قومی اسمبلی میں پیش ہونے سے پہلے ایک، ایک کاپی تمام اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کو بھجوادی تھی اور اخبارات نے اسے شہ سرخیوں پر شائع کیا تھا میری قرار داد کے جواب میں مرزا ناصر احمد نے بیان دیا۔ جس میں کہا گیا کہ شاہ احمد نورانی کی قرار داد یک طرفہ ہے۔انہوں نے بیان میں مطالبہ کیا تھا کہ اگر مولانا شاہ احمد نورانی اس قرار داد کو اسمبلی میں پیش کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی اس بات کا حق دیا جائے کہ ہم بھی قومی اسمبلی میں اپنے موقف کی وضاحت کر سکیں۔‘‘(۳۷) بھٹو نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگ قادیانیوں کو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں تو ٹھیک ہے ہم نے اس سے تو انکار نہیں کیا ہے تو اسے اسمبلی میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟۔یہ سب مذہبی جنون کی باتیں ہیں اسپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق حسن نے کہا کہ یہ پارلیمنٹ کی بحث تو نہیں ہے؟ادھر مرزا ناصر نے اپنا موقف اسمبلی کے طور پر واضح کرنے کو کہا ہے۔اس طرح تو اسمبلی مناظرہ کا اکھاڑا بن جائے گی۔

مولانا نے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو اور اسپیکر فاروق حسن کی باتیں بڑے صبر وتحمل سے سنیں اور پھر بڑی بردباری سے ان کا جواب دیا کہ جناب والا!آپ ایک مسلمان ملک کے منتخب وزیر اعظم ہیں اس ملک کے سربراہ ہیں اگر دوسرا شخص کھڑا ہو جائے اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں اس ملک کا وزیر اعظم ہوں تو ظاہر ہے آپ اور ہم اس کو پاگل اور دیوانہ قرار دیں گے کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے اور اس طرح کی حرکتیں کر رہا ہے۔لیکن اگر وہ عقل و دانش استعمال کر رہا ہو اور باقاعدہ آپ کے خلاف ایک منظم جتھہ اور گروپ استعمال کر رہا ہو اور اس نے اپنے ہمنوا لوگوں

کی ایک جماعت تیار کر لی ہو جو اس کے دعوے کو سچا سمجھتے ہوں تو آپ اس کو غدار قرار دیں گے اور کہیں گے کہ اس پر مقدمہ چلاؤ اور اس کو بغاوت کی سزا سناؤ اور جیل میں ڈال دو۔ورنہ لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ملک میں انتشار پیدا ہوگا۔اسی طرح منصب ختم نبوت کا مسئلہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا ہے۔آپ ﷺ ختم الرسل ہیں سید الانبیاء ،تاجدار کائنات ہیں محبوب رب العالمین ہیں۔آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ ہمارا یہ عقیدہ ایمان کا جزو لازمی ہے۔تو اب اگر کوئی شخص اس منصب کا ادعاء کر رہا ہے اور وہ پاگل بھی نہیں ہے، کتابیں تصنیف کر رہا ہے،اپنا جتھہ منظم کر رہا ہے تو یہ اسلام کا غدار ہے۔کافر ومرتد ہے اور لازم ہے کہ اس کے بارے میں آج کی اسلامی حکومت وہی فیصلہ کرے جو ختم المرسلین ﷺ کے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جھوٹے مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب سجاح اور اسود عنسی کے ساتھ کیا تھا۔

مولانا شاہ احمد نورانی بھٹو اور اسپیکر قومی اسمبلی کے اس سوال کے جواب میں کہ مرزا نے اسمبلی طور پر صفائی پیش کرنے کا موقع مانگا ہے کہ جواب میں فرمایا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پارلیمنٹ میں مناظرہ نہیں ہوگا۔ آپ کے پاس ریکارڈ موجود ہیں آپ انہیں پارلیمنٹ میں ان کیمرہ بلا لیجئے۔کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی آپ ان کو بھی سن لیجئے ہمارے اعتراضات بھی ہو سکے اور ارکان اسمبلی کی موجودگی میں بحث کروائی جائے تاکہ صحیح فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔‘‘ مولانا فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں بھٹو صاحب سے تین میٹنگز ہوئیں بھٹو صاحب بڑی مشکل سے قائل ہوئے،جب انہوں نے یہ قرار داد اسمبلی سے باہر اپنے اراکین کے سامنے رکھی تو جے۔اے رحیم اور شیخ رشید نے بھرپور مخالفت کی اور ہنگامہ کھڑا کر دیا وہ نہیں چاہتے تھے کہ قرار داد اسمبلی میں منظور ہو۔مگر بھٹو نے کہا کہ یہ مذہبی معاملہ ہے پیپلز پارٹی اس کی مخالفت نہیں کرے گی۔(۳۷)

دراصل ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں قادیانیوں نے پیپلز پارٹی کی بہت حمایت کی تھی جس کی وجہ سے بھٹو اور دیگر اراکین قادیانیوں کو کافر قرار دینے پر تیار نہ تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فضل وکرم کے طفیل علامہ شاہ احمد نورانی نے بھٹو صاحب کو قائل کر لیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔"مولانا شاہ احمد نورانی نے قرارداد کی منظوری کے بعد اس پر غور وخوض کے لئے قومی اسمبلی کے ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی قرارداد بھی پیش کی جسے حکومت نے منظور کرتے ہوئے قادیانی مسئلہ کے حل کے لئے پورے ایوان پر مشتمل قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی تشکیل دے دی۔چنانچہ اس کمیٹی کی تشکیل کے بعد علامہ شاہ احمد نورانی نے خصوصی کمیٹی کی کارروائی میں بھرپور حصہ لینے کے لئے اپنا بلوچستان کا دورہ ملتوی کردیا۔جب دو گھنٹے کے بعد ساڑھے بارہ بجے ایوان کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی تو وزیر قانون مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے حکومت کی طرف سے منکرین ختم نبوت کی اسلام میں حیثیت کے بارے میں ایک تحریک پیش کی۔"(۳۸)

سرکاری تحریک اور مولانا شاہ احمد نورانی کی قرارداد میں سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ سرکاری تحریک صرف ختم نبوت کے منکرین کے مسئلہ پر غور کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔جبکہ مولانا شاہ احمد نورانی کی قرارداد میں مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں قادیانی ولاہوری جماعت (جو اسے کسی بھی شکل میں مانتے ہوں) کو ختم نبوت کا منکر قرار دیتے ہوئے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔اس لحاظ سے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی پیش کردہ قرارداد قادیانیوں کی اسلامی اور آئینی حیثیت کے بارے میں جامع زیادہ واضح اور دور رس نتائج کی حامل تھی۔

"سرکاری تحریک میں صرف ختم نبوت کے منکرین کے مسئلہ پر غور کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔جبکہ اس کے برعکس اپوزیشن کی قرارداد میں مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کو ختم نبوت کا منکر قرار دے کر انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔اس لحاظ سے اپوزیشن کی قرارداد زیادہ موزوں اور حقیقت پسندانہ ہے۔انگریزی محاورے کے مطابق اپوزیشن نے سانڈ کو سینگھوں سے پکڑنے کی کوشش کی ہے۔جبکہ حکومت نے صرف اس کی دم کو چھیڑا ہے۔"(۳۹)

قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے دو ماہ میں قادیانی مسئلہ پر غور وخوض کیلئے اٹھائیس اجلاس اور چھیانوے نشستیں منعقد کیں۔اس دوران قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے روبرو قادیانی گروہ کے سرغنہ مرزا ناصر، لاہوری گروپ کے امیر صدرالدین اور انجمن اشاعت اسلام لاہور

کے عبدالمنان اور مسعود بیگ پر ان کے عقائد ونظریات، ملک دشمنی اور یہودی وسامراجی گٹھ جوڑ کے حوالے سے جرح ہوئی۔۵ اگست سے ۱۰ اگست،اور ۲۰ اگست سے ۲۴ اگست ۱۹۷۴ء تک گیارہ روز مرزا ناصر قادیانی پر جرح ہوئی جو کم وبیش بیالیس گھنٹوں پر محیط ہے۔قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی کے روبرو جرح کے دوران مرزا ناصر کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے تھے وہ اوٹ پٹانگ باتیں کرتا۔وہ قومی اسمبلی کے ائر کنڈیشن ہال میں پسینہ پسینہ ہو جاتا اور گھبراہٹ میں بار بار پانی مانگتا۔اور کبھی لاجواب ہوکر بالکل ساکت ہو جاتا۔ممبران قومی اسمبلی نے مرزا ناصر سے ایک سو اسی سوالات کئے۔جن میں سے ستر سوالات صرف جمعیت علمائے پاکستان کی جانب سے کئے گئے۔

مولانا شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں کہ"مسلسل گیارہ روز تک مرزا ناصر پر جرح ہوتی رہی اور سوال اور جوابی سوال کیا جاتا رہا۔مرزا کو صفائی پیش کرتے کرتے پسینہ چھوٹ جاتا۔اور تنگ آکر کہہ دیتا کہ بس اب میں تھک گیا ہوں۔ائر کنڈیشن کمرے میں پچاس سے زائد گلاس پانی کے مرزا ناصر روزانہ پیتا تھا۔اسے گمان نہیں تھا کہ اس طرح عدالتی کٹہرے میں بٹھا کر اس پر جرح کی جائے گی۔وہ اپنا عقیدہ خود اراکین اسمبلی کے سامنے بیان کرگیا۔اور اس بات کا اعلان کرگیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی حضورﷺ کے بعد مسیح موعود اور امتی نبی ہے۔جن اراکین اسمبلی کو قادیانیوں کے متعلق حقائق معلوم نہیں تھے انہیں بھی معلوم ہو گئے۔اور انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ مولانا نورانی جنہیں اقلیت قرار دلوانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ لوگ واقعی کافر مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"(۴۰)

قومی اسمبلی کے اسپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان قادیانیوں اور مرزائیوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ"قادیانی مسئلہ کے حل کے لئے اراکین اسمبلی نے اپنے عقیدے اور ضمیر کے مطابق فیصلہ دیا۔پیپلز پارٹی کی طرف سے ان پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔بھٹو اور چند اراکین اسمبلی کو یقین تھا کہ قادیانی پڑھے لکھے طبقہ کے افراد ہیں اور ان کے مذہبی پیشوا اپنے موقف کے حق میں وزنی اور حیران کن دلائل دیں گے۔لیکن جب انہیں بلایا گیا تو یہ تاثر ختم ہوگیا۔مرزا ناصر احمد نے انتہائی احمقانہ ،مضحکہ خیز ،اور مایوس کن دلائل دیئے اور اپنے مفاد میں گھٹیا تاثر چھوڑا۔جرح کے دوران سوالات کی بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑا۔وہ جرح کا سامنا تو کر گئے۔لیکن اپنا موقف پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔اس بحث کی روشنی میں حکومت اس نتیجے پر پہنچی کہ ربوہ کی قادیانی جماعت کے عقائد فی الواقع انتہائی خطرناک ہیں۔"(۴۱)

سارے مراحل مکمل ہو جانے کے باوجود بھٹو صاحب قادیانیوں کے خلاف اعلان کرنے سے پس وپیش سے کام لے رہے تھے نہ جانے کن کن شکوک وشبہات کا شکار ہو رہے تھے۔"چنانچہ یکے بعد دیگرے مسٹر اور مسز بھٹو نے اپنی رٹی پٹی باتیں دہرائیں اور کہا کہ "یہ ملا جیت گئے"ہم کون ہیں کسی کو کافر قرار دینے والے ایسا اعلان کرنے سے بہتر ہے ہم حکومت چھوڑ دیں۔ہم مستعفی ہو رہے ہیں ۔جناب اٹارنی جنرل یحیٰ بختیار (جو کہ مرزا ناصر پر جرح کرنے میں بہت پیش پیش تھے اور پیپلز پارٹی سے تعلق رکھتے تھے) کی ایمان افروز گفتگو ان الفاظ میں شروع ہوئی۔جس نے تمام لوگوں کو حیران کردیا کہ پیپلز پارٹی میں ایسے مردان حر بھی موجود ہیں۔جناب! آپ حکومت چھوڑ رہے ہیں یا سیاست سے دستبردار ہو رہے ہیں آپ کو معلوم ہے آپ کس ایشو پر مستعفی ہو رہے ہیں؟ کیا آپ پبلک کے سامنے اپنے استعفیٰ کا جواز ثابت کرسکیں گے؟ کاش میں اسمبلی کی اس کاروائی کا خلاصہ اپنے ہمراہ لے آتا اور آپ کو بتاتا کہ مرزا ناصر نے کیا کچھ کہا ہے۔کیاموقف اختیار کیا ہے۔یہ کون کہتا ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے سے ملا جیت جائے گا؟۔آپ کو معلوم ہے کہ احمدیت کے بارے میں علامہ اقبال کا کیا موقف ہے؟۔ہم اسی موقف کے قائل ہیں ۔اگر کسی کے خیال میں قادیانیوں کو کافر قرار دینا صحیح نہیں ہے تو قادیانیوں کا یہ نقطۂ نظر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم اور آپ غیر مسلم ہیں ۔"وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے اٹارنی جنرل یحیٰ بختیار کی تائید کرتے ہوئے بھٹو سے کہا کہ "جو کچھ اسمبلی میں ہوا اس کے بعد تو اسی فیصلہ کا اعلان کرنا پڑے گا۔(۴۲)

بھٹو صاحب نے اراکین اسمبلی کے سامنے وہیں باتیں دہرائیں اور ان خدشات کا اظہار کیا جو وہ اس سے قبل یحیٰ بختیار ،حفیظ پیرزادہ،مولانا کوثر نیازی اور جسٹس افضل چیمہ کے سامنے کر چکے تھے۔اور جن کے سبب وہ کسی طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر تذبذب کا شکار تھے۔ان کا موقف تھا کہ اس قرارداد کی منظوری سے پاکستان پیپلز پارٹی کی بہت بدنامی ہوگی کیوں کہ لوگ پاکستان پیپلز پارٹی کو سیکولر جماعت سمجھتے ہیں۔مولانا شاہ احمد نورانی نے

بھٹو صاحب کی تمام باتوں اور اعتراضات کو سننے کے بعد ان سے کہا "آپ کو ان باتوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔کیونکہ یہ بات پیپلز پارٹی کے منشور میں شامل ہے کہ اسلام ہمارا دین ہے اور جب آپ اسلام کو اپنا دین قرار دیتے ہیں تو ختم نبوت پر ایمان اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری بھی دین کا لازمی حصہ ہونے کی وجہ سے آپکی پارٹی کے منشور کے دائرے میں آجاتی ہے۔اس لحاظ سے یہ بات نہ تو آپ کی پارٹی کی بدنامی کا باعث ہے اور نہ ہی اس کے منشور کے خلاف ہے۔لہذا آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

مولانا شاہ احمد نورانی کے دلائل نے بھٹو صاحب کے لئے فرار کے تمام راستے بند کردیئے اور ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ اس فیصلے پر اپنی رضا مندی کا اظہار کرکے اپنی حکومت اور پیپلز پارٹی کے سیاسی مستقبل کو بچائیں۔چنانچہ بھٹو صاحب نے بادل نخواستہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے پر رضا مندی کا اظہار کردیا۔ڈھائی گھنٹے طویل جاری رہنے والی اس ملاقات میں بالآخر ۷ستمبر ۱۹۷۴ءکو منعقد ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے والے قانون کو حتمی شکل دے دی گئی۔اور باہمی اتفاق رائے سے قادیانیوں کا یہ مسئلہ طے کرلیا گیا۔ان اہم مذاکرات میں حکومت کی طرف سے مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ،مولانا کوثر نیازی اور اٹارنی جنرل مسٹر یحیٰ بختیار نے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی معاونت کی۔

۷ستمبر ۱۹۷۴ءکو ڈھائی بجے پوری قومی اسمبلی پر مشتمل خصوصی کمیٹی کا اہم اجلاس ہوا جس میں کمیٹی کی سفارشات کو آخری شکل دے دی گئی۔اور قرارداد کا مسودہ تیار کیا گیا۔شام ساڑھے چار بجے جب قومی اسمبلی کا اجلاس دوبارہ شروع ہوا تو پاکستان کی قومی اسمبلی نے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی موجودگی میں،دن کے اجلاس میں منظور کی جانے والی ان سفارشات کی من وعن منظوری دے کر توثیق کردی۔اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخ ساز فیصلہ صادر کردیا۔

"قومی اسمبلی میں آئینی ترمیمی بل کی منظوری کے بعد وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ نوے سال پرانا مسئلہ تھا جسے ۱۹۵۳ میں حل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کے بجائے اسے دبانے کے لئے وحشیانہ قوت کا استعمال کیا گیا۔انہوں نے ایوان کو بتایا کہ اس مسئلہ پر انہیں بہت پریشان کن اور بے سکون مراحل سے گزرنا پڑا۔انہوں نے کہا کہ پاکستان ایک جمہوری ملک ہے۔اور قومی اسمبلی اعلیٰ ترین جمہوری ادارہ ہے۔اس لئے مناسب ترین بات یہ تھی کہ اسے قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے۔چنانچہ اسے قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا جس نے اسے حل کردیا'' اس تاریخی اور آئینی ترمیم کے بعد قومی اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کیلئے موخر کردیا گیا۔

۷ستمبر کی شام مسلمانان برصغیر کی قادیانیت کے خلاف ۹۰ (نوے) سالہ جدوجہد تاریخ ساز لمحوں میں سمٹ آئی ان یادگار لمحات کا منظر ہر وہ شخص جو قومی اسمبلی اور سینٹ کے ایوان میں کسی بھی حیثیت سے موجود تھا کبھی بھی نہیں بھلا سکے گا۔ساڑھے چار بجے سے آٹھ بجے کے درمیان اوپر تلے قومی اسمبلی اور سینٹ کے اجلاسوں نے آئین میں دو اہم ترامیم کے ذریعے منکرین ختم نبوت قادیانیوں کے دونوں فرقوں'' قادیانیوں اور لاہوری جماعت ''کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر تاریخ کے صفحات پر ایسے انمٹ نقوش ثبت کردیئے جس پر قیامت تک فخر و اطمینان کا اظہار کیا جاتا رہے گا۔

مولانا نورانی جب آئین ساز کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے آئین کو اسلامی بنانے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے بعد ٹرین سے کراچی واپس پہنچے تو آپ کی والدہ محترمہ جو بلاضرورت کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں مکمل شرعی پردے میں ریلوے اسٹیشن پر اپنے بیٹے کے استقبال کے لئے تشریف لائیں۔مولانا شاہ احمد نورانی نے والدہ محترمہ کو دیکھا تو حسب معمول ان کے قدموں کا بوسہ لیا۔اس موقع پر آپ کی والدہ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ قرون اولیٰ کی ماؤں کی یاد تازہ کردیتے ہیں۔آپ نے فرمایا۔"بیٹا میں نے تجھے اسی مقصد کے لیے پالا تھا۔آج تم نے نبی کریم ﷺ کے دشمن قادیانی کو قانونی طور پر کافر قرار دلوایا ہے۔تم نے اپنے والد کے مشن کو پورا کردیا ہے۔آج میں تم سے بہت خوش ہوں۔''

سانحہ ارتحال:

گیارہ دسمبر ۲۰۰۳ء بروز جمعرات مولانا نورانی نے اس دنیا سے کوچ کیا۔آپ کے

انتقال پُرملال کی خبر نہ صرف پاکستان میں بلکہ عالم اسلام میں اخباروں کی شہ سرخیوں پر تھی۔پورے پاکستان میں سوگ کی فضا تھی۔سیاست اور مذہبی میدان میں ایک بڑا خلا نمودار ہو چکا تھا۔ٹی وی چینلز پر بریکنگ نیوز چل رہی تھی۔مذہبی رہنماؤں پر غم وسکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔مخالف قوتیں اگرچہ خوشی کا اظہار تو نہ کرسکتی تھیں مگر دل ہی دل میں خوشیوں کے بادل اٹھ رہے تھے۔قلمکاروں نے اپنے اپنے قلم اٹھا لئے تھے۔ادیب اپنے ادیبانہ انداز میں مضامین قلمبند کررہے تھے اور سانحہ ارتحال پر لکھ رہے تھے۔سیاسی تجزیہ نگار سیاست کے تبدیل ہوتے دھارے کا اندازہ لگا رہے تھے۔شاعروں نے مرثیوں کے ردیف وقافیے جوڑنا شروع کردیئے۔ماہرین نجوم مستقبل کی پیشین گوئیوں پر ذہن دوڑانے لگے تھے۔علماء خود کو یتیم سمجھنے لگے تھے۔سیاستدانوں اور اہم شخصیات کے انتقال پُرملال پر تعزیتی بیانات جاری ہونا شروع ہو گئے تھے۔غرض یہ کہ اچانک یہ اتنی بڑی تبدیلی تھی جس کی طرف پہلے سے کسی کا ذہن نہ گیا تھا۔

اگلے روز کراچی کے اس تاریخی نشتر پارک میں ،جہاں مولانا نورانی اسٹیج پر کھڑے ہو کر اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ سر انجام دیتے اور حاکم وقت کو للکارا کرتے تھے،جب نماز جنازہ کے لئے ان کا جنازہ لایا گیا تو اس سے پہلے عوام وخواص کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر پہلے سے وہاں موجود تھا۔کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔عوام اس قدر تھی کہ صف بندی ناممکن تھی۔ہر دل غمگین تھا ہر آنکھ اشکبار تھی۔پورا مجمع ملکی وغیر ملکی میڈیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔کہا جاتا ہے کہ تاریخ پاکستان میں قائد اعظم محمد علی جناح کے بعد یہ پہلی شخصیت تھے جن کے جنازے میں لوگوں کی اتنی بڑی تعداد موجود تھی۔آپ کی تدفین کراچی میں عبداللہ شاہ غازی کے مزار کے پڑوس میں اپنی ماں کے قدموں تلے ہوئی۔

تبصرہ:

مولانا نورانی شریف النسب تھے۔علمی وفکری گھرانے سے آپ کا تعلق تھا۔اسلام کے داعی اور سچے عاشق رسول کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے تھے۔زندگی بھر متحرک رہے۔ان کا ایک قدم مشرق میں ہوتا تھا تو دوسرا مغرب میں۔ایک طرف پاکستان میں اسلامی نظام کی کوشش اور ظالم وناہل حکمرانوں کے خلاف آواز اٹھاتے دکھائی دیتے تو دوسری طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یورپ میں عیسائی پادریوں اور یہودی راہبوں سے مناظرے کرتے نظر آتے۔ ہمیشہ اصولوں کی سیاست کی۔ اصولوں پر کبھی بھی سمجھوتا نہیں کیا۔ زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ پوری زندگی تلاوت قرآن کو اپنا شغف بنائے رکھا۔

عمر کے آخری دنوں میں ہر پیر اور ایام بیض کے روزے رکھا کرتے۔ غالباً یہی آپ کی صحت کا راز تھا۔ ماہ رمضان میں ہر سال نماز تراویح پڑھاتے اور رات کو تہجد میں بلا ناغہ ڈھائی پارے کی باجماعت تلاوت فرماتے۔ انتہائی مہمان نواز تھے۔ معاشی تنگی کے باوجود اپنے دسترخوان کو وسیع رکھتے۔ مال کی محبت دل میں بالکل بھی نہ تھی۔ اتنے بڑے بڑے مناصب دینی و دنیوی ملنے کے باوجود اپنی پوری زندگی کرائے کے مکان میں گزار دی مذہب اور سیاست کو اپنا پیشہ نہ بنایا۔ سرکاری مراعات سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ ہر حال میں خدا کے شکر گزار رہے۔

فیملی میگزین کے ایک سوال (کہ کیا آپ کو کبھی اپنا گھر بنانے کا خیال نہیں آیا؟) کے جواب میں آپ نے فرمایا آج کل اپنا گھر بنانا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ میں بھٹو کے زمانے میں ۱۹۷۱ء میں قومی اسمبلی کا ممبر تھا۔ اس وقت اراکین اسمبلی کو اسلام آباد میں زمینیں ملیں تھیں۔ اس کے لئے فارم تقسیم کئے گئے۔ ہم نے اس وقت بھی وہ فارم واپس کر دیا تھا کہ اس کے پیسے کون بھرے گا۔ ویسے بھی ہم زمینیں لینے کے لئے منتخب نہیں ہوئے تھے۔ فیملی میگزین نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ اپنی زندگی سے مطمئن ہیں؟ جواباً آپ نے فرمایا کہ الحمدللہ! جو اس نے دیا ہے اس پر بالکل مطمئن ہیں۔ اسکا بڑا احسان ہے۔ (۴۴)

حوالہ جات

(۱) محبوب الرسول قادری، قائد تحریک نظام مصطفیٰ، ص ۲۱۵، احمد جامی فاروقی پبلشرز۔
(۲) قیصر حفیظ، ایک عالم ایک سیاست دان ص ۱ النور پبلی کیشنز۔
(۳) مولانا امین نورانی، عہد رواں کی عبقری شخصیت ص ۱۷، ناشر بزم انوار القرآن کراچی۔
(۴) اخبار خلافت، ۲۴ فروری ۱۹۲۰ء۔
(۵) اخبار دبدبہ سکندری رام پور، ۱۵ فروری ۱۹۲۰ء۔
(۶) مولانا امین نورانی، عہد رواں کی عبقری شخصیت ص ۲۰، ۲۱، ناشر بزم انوار القرآن کراچی۔
(۷) قیصر حفیظ، ایک عالم ایک سیاست دان ص ۵ النور پبلی کیشنز۔
(۸) ایضاً تلخیص ص ۶، ۷۔
(۹) ایضاً تلخیص ص ۸۔
(۱۰) مولانا امین نورانی، عہد رواں کی عبقری شخصیت ص ۱۳۹، ناشر بزم انوار القرآن کراچی۔
(۱۱) قیصر حفیظ، ایک عالم ایک سیاست دان تلخیص ص ۱۴ تا ۱۸۔
(۱۲) ایضاً ص ۴۹۔
(۱۳) مولانا امین نورانی، عہد رواں کی عبقری شخصیت ص ۱۲۰ تا ۱۶۳ ملخص۔
(۱۴) کلیات اقبال۔
(۱۵) مولانا امین نورانی، عہد رواں کی عبقری شخصیت تلخیص ص ۶۰ تا ۶۳، ناشر بزم انوار القرآن کراچی۔
(۱۶) آغا شورش کاشمیری، تحریک ختم نبوت ص ۴۳ تا ص ۴۴، مطبوعہ چٹان لاہور۔
(۱۷) مرزا محمود قادیان، ماہنامہ الفضل قادیان، ۱۱ نومبر ۱۹۳۵ء۔
(۱۸) ایضاً یکم نومبر ۱۹۳۵ء۔
(۱۹) دوست محمد شاہد، تاریخ احمدیت، ج ۷، ص ۵۴۲۔
(۲۰) صفدر محمد، پاکستان کیوں ٹوٹا، ص ۱۸۶ جہانگیر بکس لاہور، کراچی۔
(۲۱) محمد احمد ترازی، تحریک ختم نبوت سیدنا صدیق اکبر تا علامہ شاہ احمد نورانی، ص ۱۸۸، ۱۸۹ افق پبلشرز کراچی۔
(۲۲) خیر انگلوزی رپورٹ، ص ۸۰، ۸۱، نیا زمانہ پبلشرز۔
(۲۳) ایضاً ص ۱۳۱، ۱۳۲۔
(۲۴) انٹرویو مولانا شاہ احمد نورانی، ماہنامہ الحلیم کراچی، ستمبر ۲۰۰۳ء۔
(۲۵) ماہنامہ پیام حرم کراچی، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۳۳۔
(۲۶) ظہور الحسن بھوپالی تحریک ختم نبوت اور مولانا شاہ احمد نورانی ص ۱۵، ۱۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۷) ایضاً۔

(۲۸) محمد احمد ترازی، تحریک ختم نبوت سیدنا صدیق اکبر تا علامہ شاہ احمد نورانی، ص۲۲۴، ۲۲۵، افق پبلشرز کراچی۔

(۲۹) ایضاً ص۲۲۷، ۲۲۸۔

(۳۰) انٹرویو مولانا نورانی، سہیل وڑائچ، روزنامہ جنگ اکتوبر ۱۹۹۵ء۔

(۳۱) روزنامہ نوائے وقت، ۱۰ جون ۱۹۷۴ء۔

(۳۲) آغا شورش کاشمیری، تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء، ج ۳ ص۳۲۱، ۳۲۲، مطبوعہ چٹان لاہور۔

(۳۳) بحوالہ بالا، ص۳۸۴۔

(۳۴) بحوالہ بالا، ص۳۱۸ تا ۳۲۱۔

(۳۵) انٹرویو مولانا شاہ احمد نورانی، ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور دسمبر ۱۹۷۴ء۔

(۳۶) صاحبزادہ فیض الرسول، افکار نورانی، ص۵۰، مکتبہ اہل سنت جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔

(۳۷) انٹرویو مولانا شاہ احمد نورانی، ادیب جاودانی، ماہنامہ سوئی ڈائجسٹ جون ۱۹۸۶ء۔

(۳۸) مضمون تحریک ختم نبوت میں جمیعت علماء پاکستان کا کردار، ماہنامہ لانبی بعدی لاہور ۲۰۰۲ء۔

(۳۹) روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲ جولائی ۱۹۷۴ء۔

(۴۰) ماہنامہ ضیائے حرم، بحوالہ تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۷۴ء۔

(۴۱) انٹرویو مولانا نورانی جنگ لاہور ۳ ستمبر ۱۹۸۴ء۔

(۴۲) محمد طاہر عبدالرزاق، قادیانی غداروں کی نشاندہی ص۵۶ تا ۵۷، تحریک پرنٹنگ پریس۔

(۴۳) تحریک ختم نبوت صدیق اکبر تا علامہ شاہ احمد نورانی، ص۵۶۶ تا ۵۷۶ تلخیص، افق پبلشرز کراچی۔

(۴۴) نیلی بنگز بی، ۲۷ ستمبر تا ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۳ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد۹، شمارہ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

مفسر قرآن: صوفی عبدالحمید سواتی

ڈاکٹر حافظ فدا حسین

The great Islamic Scholar and intellectual Sufi Abdul Hameed Sawati (2008) was born at Mansahra. He was educated at Darul-Aloom Duaband and Darul Muballegheen Lakhnaw (India), in 1952. He founded Nusratul Aloom Gugranwala. He lived whole the life and worked at Gugranwala. He was one of the most remarkable personalities of our times. He had left an enormous corpus of book and articles which was marked for theio very high scholarly quality. He wrote many scholarly books on various aspects of Islamics in Urdu, Arabic and Persian languages. He delivered his lectures with regard to transition and Explanation (Tafseer) of Quran for many years. These lectures have been published the shape of Tafseer-e-Quran. He rendered various services of political and

religious. He was reprisantatire of shah waliulah's reformation movement to return the Quran and Sunnah as Shah Waliullah stressed the point that the problems of the Muslims would be solved only through strict adherence to the teachings of Quran and Hadith in all spheres of life. This is the point which was given special focus in Maalim-ul-Quran fi Droos-ul-Quran" and in various other books and articles of Suffi Abdul Hameed Sawati.

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت، مطالب کی وسعت، اس کے موضوعات کی گوناں گونی، دین و فن کے حسین امتزاج اور دل آویز پیکر نے ہر عہد کے علماء وفضلاء کے قلبی احساسات کو اُبھارا اسی وجہ سے انہوں نے اس ابدی کتاب میں مخفی خزانوں سے پردہ ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ کسی نے لغات ولہجات اور مخارج حروف پر زور قلم صرف کیا تو کسی نے صرفی ونحوی خوبیوں اور صنائع وبدائع کو اپنا موضوع بحث بنایا، کسی نے اصول دین اور احکام وقصص مرتب کیے تو کسی نے اقسام، امثال اور تصویر فنی پر خامہ فرسائی کی اور کسی نے فصاحت و بلاغت کے محاسن اور مخفی گوشوں کو اُجاگر کیا۔ الغرض قرون اولی سے لے کر دور حاضر تک قرآن مجید کے معانی ومطالب کی تفہیم تشریح اور توضیح کے لیے بے شمار کتب احاطہ تحریر میں آ گئیں۔ یہی کتابیں عوام الناس کے لئے فہم قرآن کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

گذشتہ چودہ صدیوں سے دنیا کی متعدد زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم وتفاسیر لکھی جا رہی ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں سب سے پہلے بارھویں صدی ہجری میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس وقت کی دفتری اور تعلیمی زبان، فارسی میں کلام پاک کا ترجمہ کیا۔ بعد ازاں ان کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے "تفسیر عزیزی" کے نام سے ابتدائی سوا پارے اور آخری دو پاروں کی تفسیر فارسی زبان ہی میں لکھی۔ ان کے بعد شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے کلام پاک اردو زبان میں تحت اللفظ ترجمہ کیا۔ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ آج بھی پڑھا جاتا ہے۔ اسی عہد میں شاہ صاحب کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادرؒ نے بھی کلام پاک کا بامحاورہ اردو ترجمہ "موضح قرآن" کے نام سے کیا۔ موضح قرآن تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۰۵ھ سال تکمیل مستخرج ہوتے ہیں۔ گذشتہ دو صدیوں میں برصغیر میں جتنے بھی تراجم و تفاسیر احاطہ تحریر میں آئیں اور شائع ہوئیں ان میں سے بیشتر کی بنیاد یہی تراجم بنے۔

مولانا عبید اللہ سندھی (م۔۱۹۴۴ء) نے شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات اور فلسفے کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن پاک کی تفسیر لکھی۔ اس تفسیر کو ان کے شاگردوں، مولانا عبداللہ بخاری اور علامہ موسیٰ جاراللہ نے بالترتیب "المقام المحمود" (اردو) اور "الہام الرحمٰن" (عربی) کے نام سے مرتب کی۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے "خلاصۃ القرآن" کے نام سے قرآن مجید کی سورتوں کا خلاصہ بھی لکھا۔ اسی سلسلے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور مختصر تفسیر لکھی۔

انھیں تفاسیر میں ایک تفسیر صوفی عبدالحمید سواتی کی بھی ہے۔ یہ تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن" کے نام سے ۲۰ جلدوں میں شائع ہوئی۔ یہ تفسیر بھی شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کی توسیعی صورت ہے۔ صوفی صاحب کے مختصر حالات زندگی اور علمی کارنامے درج ذیل ہیں۔

صوفی عبدالحمید سواتی: سوانحی خاکہ:

نام ونسب:

صوفی عبدالحمید سواتی کا شمار برصغیر کی ممتاز علمی شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۹۱۷ء میں شنکیاری سے آگے کڑ منگ بالا کے قریب چیڑاں ڈھکی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام نور احمد خان اور دادا کا گل احمد خان ہے۔ آپ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی کنیت ابوالفیاض اور تخلص اختر تھا۔ آپ صوفی صاحب کے لقب سے معروف تھے اور پٹھانوں کی یوسف زئی برادری کی کوٹھ مندراوی سے تعلق رکھتے ہیں۔

تعلیم:

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم مانسہرہ کے مختلف علاقوں میں حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۸ء تک ۱۳ سال پاکستان کے مختلف علاقوں، ملک پور، لکھو گنڈہ، وڈالہ، سرگودھا، لاہور، ہری پور، مانسہرہ، سیالکوٹ، خوشاب، جہان آباد، ملتان، گوجرانوالہ میں مختلف اساتذہ سے عربی اور فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۴۱ء میں اپنے بڑے بھائی مولانا سرفراز خان صفدر کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۱ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث شریف کی سند حاصل کی اسی سال امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی سے ملاقات ہوئی۔ ۱۹۴۲ء میں آپ نے دارالمبلغین لکھنؤ میں داخلہ لیا اور امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ سے قرآن کریم کی تفسیر، تقابل ادیان، فن مناظرہ اور افتاء میں سند فراغت حاصل کی۔ مولانا سید حسین احمد مدنی سے دورہ حدیث پڑھا اس کے علاوہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا قاری اعزاز احمد، مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مفتی عبدالواحد گوجرانوالہ، مولانا عبداللہ درخواستی اور دیگر جید علماء کرام سے بھی استفادہ کیا۔ ۱۹۴۲ء میں آپ نے چشتی سلسلہ میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (۱)

خشیت الٰہی:

سواتی صاحب پر ہمیشہ خوف خدا کا غلبہ رہتا تھا انھوں نے پوری زندگی قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کی۔ متعدد بار تلاوت قرآن کے دوران انھیں آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ مصروفیات کے باوجود نماز باجماعت کا اہتمام کرتے تھے۔ نماز میں خشوع وخضوع کا خاص خیال رکھتے تھے۔ حالت مرض میں بھی نماز کا اہتمام رہا۔ پابندی اوقات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ رزق حلال پر بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔ آپ کی حق گوئی و بیباکی معروف ہے۔

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے صوفی صاحب کو چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا کیں جن میں سے ایک لڑکا اور لڑکی ان کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے باقی حیات ہیں۔

تعلیمی کارنامے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصرت العلوم گوجرانوالہ کی بنیاد اور درس و تدریس: آپ نے گوجرانوالہ شہر میں ۱۹۵۲ء میں نصرت العلوم کے نام سے ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی اور تمام عمر درس وتدریس، تصنیف و تالیف اور تبلیغ وتحقیق کے شعبوں میں گراں قدر خدمات سر انجام دیتے رہے۔آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا اور اس میں وہ مہارت اور درک حاصل کی کہ آپ کا شمار حضرت شاہ صاحب کے فلسفہ کے شارحین میں ہونے لگا۔آپ کی تصنیفات اور تحقیقی کام کو اہل علم کے ہاں قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔آپ خدمت اسلام کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے اور علم وعمل کے آفتاب تھے۔آپ نے اپنے قائم کردہ ادارے میں طلباء و طالبات کیلئے حفظ قرآن اور درس نظامی کی تعلیم کا انتظام کیا۔ بیرون ملک سے تعلیم کی غرض سے آنے والے طلباء و طالبات کی خوراک، رہائش، علاج معالجہ اور دیگر اخراجات کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اپنے ذمہ لیا۔

ان کا انداز درس انتہائی سلیس، عام فہم، پُرمغز، عالمانہ، نصیحانہ اور بلیغانہ ہوتا تھا۔مشکل سے مشکل مقامات کی توضیح بڑے سہل اور عام فہم انداز میں کرتے تھے۔ آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا اور ان کے فلسفہ کی تفہیم میں وقت نظری کا ثبوت فراہم کیا۔آپ شاہ ولی اللہ کے افکار ونظریات اور فلسفہ کو سہل انداز اور تحقیق کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ انھیں خوبیوں کی بنا پر آپ کا شمار حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کے اہم شارحین میں ہوتا تھا اور اس سلسلے میں آپ کی تصنیفات اور تحقیقی کام کو اہل علم کے ہاں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔آپ نے نصرت العلوم کے زیر انتظام طلباء و طالبات کیلئے حفظ قرآن اور درس نظامی کی تعلیم کا انتظام کیا اور مدرسے کو صرف دینی تعلیم تک محدود نہیں کیا بلکہ مدرسے کے طلبا و طالبات کے لیے دنیاوی تعلیم کا بھی انتظام کیا چنانچہ مدرسے میں مڈل تک کی تعلیم فراہم کرنے کا انتظام کیا گیا۔اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبا و طالبات دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم سے بھی آگاہ ہوں تاکہ وہ معاشرے میں پہنچ کر کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہوں بلکہ وہ معاشرے کے مفید شہری بن سکیں۔

دروس قرآن:

آپ نے اپنی زندگی کو تعلیم، تدریس اور تحقیق کے لیے وقف کر رکھا تھا چنانچہ ہر وقت یا تو تعلیم دیتے نظر آتے یا تصنیف و تالیف میں منہمک رہتے۔قرآن سے انھیں دلی لگاؤ تھا۔ نصف صدی تک اُن کا معمول تھا کہ وہ جامع مسجد نور (گوجرانوالہ) میں ہفتہ میں چار دن باقاعدگی سے درس قرآن دیا کرتے تھے۔ کثیر تعداد میں علماء وعوام الناس ان کے دروس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔درس کا یہ سلسلہ تقریباً اڑتیس برس رہا ان کے ان قرآنی دروس سے عوام الناس کے دل میں فہم قرآن کا ذوق پیدا ہوا۔لوگوں کی زندگیوں میں مثبت تبدیلی پیدا ہوئی اور انھوں نے قرآنی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔اہل علم ان کے ان دروس سے استفادہ کررہے ہیں۔ "تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن" میں جو ترجمہ دیا گیا ہے وہ ان کا طبع زاد ہے۔ ان کی تفسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فلسفہ سے خاص لگاؤ تھا۔تفسیر میں متعدد مقامات پر شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور حکمت کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ یہ تفسیر بیس(۲۰) جلدوں پر مشتمل ہے اور اردو میں لکھی گئی بہت ضخیم تفسیر ہے۔ یہ تفسیر اسلاف کی مختلف تفاسیر کا مرقع ہے۔اس تفسیر کا انداز بیان سادہ اور علم و حکمت سے پُر ہے۔قرآنی مفاہیم ومطالب اس انداز میں بیان کرتے تھے کہ عصر حاضر کے تمام تقاضے بھی پورے ہوتے جاتے تھے اور ہمہ قسم جدید وقدیم فتنوں کی جڑ بھی کٹتی چلی جاتی تھی۔

فکر ولی اللّٰہی کے ترجمان:

آپ شاہ ولی اللہ اور مولانا عبیداللہ سندھی کی انقلابی فکر کے امین تھے۔اس لئے شاہ ولی اللہ کی تصنیف "حجۃ اللہ البالغۃ" کو اپنے مدرسے کے نصاب میں شامل کیا۔آپ کو شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے کے افکار ونظریات سے طبعی مناسبت تھی۔اس لیے ان کے افکار ونظریات کی تشریح و توضیح کی جانب زیادہ توجہ رہی۔آپ نے مدرسے میں کم وبیش 32 مرتبہ "حجۃ اللہ البالغۃ" کا درس دیا۔اس خانوادے سے قلبی تعلق اور محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اس خانوادے کی بہت سی نادرو نایاب کتب کو ترجمہ کروا کے اور تشریح و توضیح کے ساتھ شائع کرانے کا اہتمام کیا۔ شاہ صاحب نے قرآن، سنت اور تعامل صحابہ کی روشنی میں ایسا کامل نظام پیش کیا ہے جو انسانی زندگی کے معاشی، معاشرتی، اقتصادی، اخلاقی، سیاسی، انقلابی، انفرادی و اجتماعی پہلوؤں کو اجاگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا ہے۔نیز حکمت ولی اللہی میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ انسان کو صحیح ترقی اس وقت تک میسر نہیں ہو سکتی جب تک کہ انکی خواہشات اور جزئیات عقل کے تابع نہ ہوں اور انکی عقل شریعت حقہ کے تابع نہ ہو۔صوفی صاحب نے تہذیب نو اور مغربی فلسفہ پر فکر ولی اللہی کی روشنی میں کاری ضربیں لگائیں۔(۲)

علم المناظرہ کے ماہر:۔عبدالحمید سواتی علم المناظرہ کے ماہر تھے۔انھوں نے اس فن کا حصول اور تکمیل مولانا عبدالشکور لکھنوی سے کی۔دوران مناظرہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلام کی حقانیت مدلل انداز میں پیش کرتے تھے۔آپ کی تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تصانیف:

i۔ معالم العرفان فی دروس القرآن (20 جلدیں)

ii۔ ترجمہ قرآن کریم (1 جلد)

iii۔ عون الخبیر شرح الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

iv۔ اصول حدیث

v۔ دروس الحدیث (مسند احمد) (4 جلدیں)

vi۔ خطبات سواتی (5 جلدیں)

vii۔ نماز مسنون خورد

viii۔ شرح شمائل ترمذی (2 جلدیں)

ix۔ شرح ابن ماجہ (1 جلد)

x۔ ترمذی شریف شرح ابواب البیوع (1 جلد)

xi۔ تشریحات سواتی الی ایساغوجی

xii۔ مباحث کتاب الایمان مع تسہیل و توضیح مقدمہ صحیح مسلم

xiii۔ سعدیات فارسی

xiv۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار

xv۔ مختصر ترین اور جامع اذکار

xvi۔ مقالات سواتی

xvii۔ تقریر صحیح بخاری

xviii۔ نماز مسنون کلاں

xix۔ الاکابر

تراجم و مقدمات:

xx۔ فیوضات حسینی المعروف تحفہ ابراہیم وغیرہ۔

xxi۔ دلیل المشرکین مع اردو ترجمہ ایضاح المومنین

xxii۔ مبادی تاریخ الفلسفہ (اردو سے عربی)

xxiii۔ حجۃ الاسلام (اردو سے عربی)

xxiv۔ الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس مع اردو ترجمہ

xxv۔ عقیدہ الطحاوی وعقیدۃ الحسنہ

xxvi۔ فقہ اکبر مع ترجمہ البیان الازہر

تصحیح، مقدمات و حواشی:

xxvii۔ صرف ولی اللہی المعروف صرف میر منظوم

xxviii۔ اسرار المحبہ

xxix۔ دمغ الباطل

xxx۔ تفسیر آیت النور مع ترجمہ

xxxi۔ مجموعہ رسائل (حصہ اول)

xxxii۔ مجموعہ رسائل (حصہ دوم)

xxxiii۔ تکمیل الاذھان مع رسالہ دانشمندی

xxxiv۔ اجوبہ اربعین (ردروافض)

xxxv۔ خطبات صدارت(۳)

غیر مطبوعہ کام:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صوفی عبدالحمید سواتی کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انھیں مختلف علوم وفنون پر کمال دسترس حاصل تھی۔ تصنیف و تالیف کا کام آخری وقت تک جاری رہا۔ ان کا بہت سا کام غیر مطبوعہ حالت میں موجود ہے جو وسائل کی عدم دستیابی کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔ اور کچھ کام ایسا بھی ہے جو وہ آخری دنوں میں کر رہے تھے اور اپنی بیماری کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے۔ یہ کام بھی تکمیل اور اشاعت کی راہ دیکھ رہا ہے۔

تحریک ختم نبوت سے وابستگی:

آپ نے اپنی جوانی میں ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے آغاز کے ساتھ ہی اپنی پرجوش اور ولولہ انگیز تقاریر سے رائے عامہ کی ذہن سازی کی اور قادیانیت کے خلاف علم احتجاج بلند کیا اور اس تحریک کی مکمل طور پر پشت پناہی کی۔ کلمۂ حق بلند کرنے کی پاداش میں سات ماہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا معاملہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جیسا ہے۔ انھیں مسئلہ ختم نبوت سے بہت زیادہ محبت تھی، جس کا اظہار وہ ہمیشہ اپنی تحریر وتقریر میں کرتے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ مسئلہ ختم نبوت ایمان اور عقیدے کی بنیاد ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے خارجی اور رافضی فتنے کا بھی تعاقب فرمایا۔ فتنہ انکار حدیث کی بھی سرکوبی کی۔

سیاسی خدمات

سواتی صاحب میں بچپن ہی سے سیاسی بصیرت موجود تھی، حالات حاضرہ سے باخبر رہنے کیلئے باقاعدگی سے اخبار کا مطالعہ کرتے تھے۔ زمانہ طالبعلمی میں تحریک آزادی سے وابستگی اختیار کی۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک مجلس احرار اسلام کے سرگرم رکن رہے۔ ۱۹۴۵ء کے بعد جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی اس جماعت سے منسلک رہے۔ بعد ازاں جمعیت علماء اسلام میں شامل ہو گئے۔ ان کا ادارہ ایک عرصہ تک جمعیت کی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ آپ جمعیت علماء اسلام کے اجلاسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کرتے رہے۔ ۱۹۷۵ء میں اپنے ادارہ میں جمعیت علماء اسلام کی آل پاکستان تین روزہ نظام شریعت کانفرنس بھی منعقد کرائی۔ جمعیت طلباء اسلام کے تربیتی کنونشن کا بھی اہتمام کرتے تھے نیز ان

جماعتوں کی مالی معاونت بھی فرماتے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں جدید اور قدیم تعلیم یافتہ اہل علم کو قریب کرنے کیلئے ایک سیاسی جماعت بنانے کا ارادہ بھی کیا تھا۔ صدر ایوب خان کے زمانہ میں عائلی قوانین کا اجرا ہوا۔ یہ قوانین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے صریحاً خلاف تھے، اس لیے انھوں نے ان قوانین کے خلاف آواز حق بلند کی۔ آپ نے مولانا فضل الرحمن اور مولانا سمیع الحق کے مابین اتحاد کیلئے بھی بہت زیادہ کوششیں کیں۔ (۴)

ملت اسلامیہ کی زبوں حالی پر دینی حمیت کا اظہار:

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ عالم کفر کی جانب سے اُمت مسلمہ کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے ہر قسم ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو زیر کرنے کیلئے فلسطین کی مقدس سرزمین پر اسرائیل کو جنم دیا گیا۔ مسلمانوں پر اسرائیلی مظالم کی انتہا ہو چکی ہے۔ سواتی صاحب نے ان مظالم کو اسلام دشمنی قرار دیتے ہوئے برملا مذمت کی۔ ۱۹۸۰ء میں مصری صدر انورالسادات کے اسرائیلی معاہدے پر مذمت کی۔ فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کے قتل عام اور مسلم حکمرانوں کی بے حسی کی سخت مذمت کی۔ ۱۹۸۲ء میں سلامتی کونسل کی طرف سے اسرائیل کے خلاف قرار داد مذمت کو امریکہ نے ویٹو کیا۔ جس پر سواتی صاحب نے سلامتی کونسل اور امریکہ کے اس منافقانہ رویے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ افغانستان کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کی۔ روسی فوجیں افغانستان کے بعد پاکستان پر قبضہ کرکے گرم پانی تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھیں نیز روس جنوبی ایشیاء میں اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے روس کے ان جارحانہ عزائم کی بروقت نشاندہی کی۔ ایران عراق جنگ کو مسلمانوں کیلئے نقصان دہ قرار دیا۔ ۱۹۷۹ء میں بیت اللہ پر شرپسندوں کے قبضے کو بیرونی سازش قرار دیا اور سعودی حکمرانوں کی نااہلی اور غفلت کی شدید مذمت کی۔ سقوط بنگال کو عالمی سازش قرار دیا۔ ۱۹۸۱ء میں بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کی، کشمیری مسلمانوں کی حمایت کی اور طالبان کی بھی حمایت کرتے رہے۔ ۱۹۹۸ء میں خلیج میں امریکی افواج کے قدم جمانے میں سعودی عرب کو مورد الزام ٹھہرایا۔ پاکستانی مسلمانوں کو فرقہ واریت سے اجتناب کی تلقین کی اور عیسائی این جی اوز کی سرگرمیوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ اس طرح سواتی صاحب نے اپنی زندگی میں اُمت مسلمہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبوں حالی پر دینی حمیت کا عملی اظہار کیا۔(۵)

تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن محاسن کے تناظر میں:

قرآن کریم وہ حکمت آفرین کتاب ہے جس کی تفہیم تشریح اور توضیح کے لیے بے شمار کتب احاطہ تحریر میں آ گئیں اور اس کا سلسلہ چودہ سو سال سے آج تک جاری و ساری ہے اور جب تک دنیا قائم و دائم ہے تب تک قرآن کی تفسیر یں لکھی جاتی رہیں گی۔قرآن کی تفہیم و تشریح کے لئے مختلف مفسرین نے مختلف انداز اپنایا۔کسی نے قرآن کی تفسیر اسلوبیاتی حوالے سے کی تو کسی نے تاریخی نقطۂ نظر سے ،کسی نے قرآن کو معاشرتی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی تو کسی نے سائنسی نقطۂ نظر سے۔صوفی عبدالحمید سواتی نے ''معالم العرفان فی دروس القرآن''کو جدید انداز میں اور عصری تقاضوں کو مدنظر رکھ کر تحریر کیا ہے۔مزید یہ کہ اس میں تفسیر قرآن بالقرآن ،حدیث نبوی ﷺ ،اقوال اصحابہ،اقوال تابعین ،اقوال تبع تابعین ، اور کلام عرب کا نمونہ ہے۔آپ کی تفسیر کے محاسن درج ذیل ہیں۔

ا۔ قرآن کریم وہ حکمت آفریں کتاب ہے جو تمام عالم انسانیت کے لیے نازل ہوئی ہے۔وہ عالم ہوں یا جاہل بڑے ہوں یا چھوٹے مرد ہوں یا عورت شہری ہوں یا دیہاتی ،اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ایسے اسلوب سے مزین کیا ہے جو تمام افراد کی فہم کے مطابق ہے۔عالم کے لیے اس میں اعلیٰ فکری مواد موجود ہے اور ناخواندہ اور عامی اشخاص کے لیے سہل اور گفتگو کا انداز۔سواتی صاحب قرآن کی اس حکمت سے بخوبی واقف ہیں۔اس لیے انھوں نے قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے نہ عالمانہ انداز اپنایا ہے اور نہ لفظی بازی گری کرنے کا مصنوعی انداز اختیار کیا ہے۔ان کا مقصدِ تحریر کا وہ انداز اختیار کرنا ہے جس سے بات دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے(از دل خیزد بر دل ریزد)۔ان کا اسلوب رواں ،شستہ اور عام فہم ہے۔ان کی تحریر میں دقیق اور بھاری بھرکم اصطلاحیں دیکھنے میں نہیں آتیں اور نہ بعید از فہم اور فرسودہ انداز بیان۔ان کی تحریر کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ندی کا ایک رواں بہاؤ ہے جو بڑی نرم روی سے بہتا چلا جا رہا ہے۔

ii۔ صوفی عبدالحمید سواتی کے دل میں مسلمانوں کی سچی ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ

موجود تھا جس کا وہ اپنی تفسیر میں جا بجا اظہار کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی بد حالی پر تڑپتے اور کڑھتے ہیں اور مسلمانوں میں موجود بنیادی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے سیاسی ،معاشی معاشرتی ،تجارتی اور دیگر جملہ معاملات میں غیر مسلم اقوام کی بجائے قرآن کو اپنا رہنما بنائیں۔

قرآن مجید کی آیت **یسئلونک ماذا ینفقون**(۶) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''الغرض !اسلامی معاشرہ کی تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ کمزوروں اور محتاجوں کی اعانت کی جائے تاکہ وہ سوسائٹی میں باعزت مقام حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان مدات پر مال صرف کرنے کا حکم دیا ہے۔ برخلاف اس کے غیر ضروری اور ناجائز کاموں پر خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسے اسراف سے تعبیر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے دیواروں پر پردے لگانے اور تصاویر آویزاں کرنے کے حکم تو نہیں دیا ہے۔ باجے گانے اور عیاشی و فحاشی سے منع فرمایا ہے بلکہ محتاجوں وناتوانوں کی دست گیری کا حکم دیا ہے۔صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے دور کا مطالعہ کریں کہ وہ غریب طبقوں کی کس طرح مدد کرتے تھے۔ان کی عزت نفس کا خیال رکھتے تھے ان کے احساس تک کو مجروح ہونے سے بچاتے تھے ان کی ضرورت خفیہ طریقے سے ان کے گھروں پر پہنچا دیتے تھے۔ اسلامی سوسائٹی کا معیار تو یہ ہے انسانیت کا مقام اس طرح بلند ہوتا ہے مگر آج ہمارا شیوہ یہ کہ گرے پڑے کو اٹھانے کی بجائے اسے بالکل ختم کرنے کے درپے ہیں ،امیر امیر سے امیر تر اور غریب غریب سے غریب تر ہو رہا ہے۔اپنے عیش و آرام کی خاطر دوسروں کا خون چوسا جا رہا ہے۔مگر اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کے لیے مستحقین کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی ہے والدین کو گھر سے نکالا جا رہا ہے قرابت داروں سے عناد ہے پڑوسی بھوکا ہے تو کوئی پروا نہیں یہ اہر کانٹی نینٹل میں داد عیش دے رہے ہیں غریب کے پاس دوائی لانے کے لیے پیسے نہیں مگر بلاضرورت اپنے نفس پر خرچ کر رہا ہے۔(۷)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

''بدقسمتی یہ ہے کہ آج کا مسلمان بھی اپنے دین پر اعتماد نہیں کرتا ۔ آج کے مسلمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جب تک غیر اقوام کی شاگردی اختیار نہیں کریں گے ترقی نصیب نہیں ہو گی''۔(۸)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

''مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے اغیار کے مشوروں کے سہارے چل رہے ہیں کوئی معاملہ ہو، سیاسیات ہوں یا اقتصادیات، زراعت ہو یا تجارت ہر چیز میں غیر مسلم دخیل ہیں''۔(۹)

درج بالا اقتباسات میں صوفی عبدالحمید سواتی نے عام معاشرتی خرابیوں کا ذکر کیا ہے جن سے معاشرے میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے۔ یہی عدم توازن احساس محرومی کو جنم دیتا ہے اور اسی احساس محرومی کی وجہ سے معاشرہ شکست و ریخت کا شکار ہو جاتا ہے اور زوال اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ مزید یہ کہ سواتی صاحب صرف معاشرتی خرابیوں کی نشاندہی کر کے خاموش نہیں ہو جاتے اور ان مسائل کے حل تلاش کرنے کی زحمت سے پیچھا نہیں چھڑا لیتے بلکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان مسائل کا حل بھی تجویز کرتے ہیں اور یہ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے معاملات کے حل کرنے میں آنکھیں بند کر کے غیر مسلم اقوام کی پیروی کرنے کی بجائے اسلام اور قرآن سے راہنمائی حاصل کریں۔ انھیں ان کے تمام مسائل کا حل قرآن اور اسلامی تعلیمات میں مل جائے گا۔

iii۔ صوفی عبدالحمید سواتی عصری شعور رکھتے تھے اور دنیا کی سیاست اور تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ صوفی عبدالحمید سواتی اپنی تفسیر میں جا بجا یہود و نصاریٰ کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اور طاقتور ریاستوں کا کمزور ریاستوں سے رویے کا ذکر کرتے ہیں۔

''ہر طرف مادی ترقی کا دور دورہ ہے مگر کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں ظلم و ستم کا بازار گرم نہ ہو۔ ایک سے ایک بڑھ کر ظالم موجود ہے کمزور کو کچلنا طاقتوروں کا مشغلہ بن چکا ہے۔ امریکہ اور اس کی کشمکش میں ویت نام کے دس لاکھ ہلاک ہوئے یہ ظلم و ستم بیس سال تک جاری رہا''۔(۱۰)

مزید لکھتے ہیں۔

''اسرائیل امریکہ کا پالتو درندہ ہے جب چاہتا ہے فلسطینی مہاجرین پر چڑھ دوڑتا ہے مسلمانوں کی ہزاروں لڑکیاں ان کی جیل میں ہیں جن سے ظالمانہ سلوک ہو رہا ہے''(۱۱)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

''بنظر غور دیکھا جائے تو اسرائیل کو چار عالمی طاقتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان میں سے اول الذکر تین عیسائی ہیں اور چوتھی دہریہ ہے۔ اسرائیل ان سب کی مشترکہ چھاؤنی ہے جسے اردگرد کے مسلمان ملکوں کو تنگ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے''۔(۱۲)

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''1971ء میں جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا تو اندرا گاندھی کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ ہم نے ہندوستان پر مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کا بدلہ لے لیا ہے۔ اسی طرح انگریز، عیسائی، امریکی، ہندو اور یہود ہمیشہ مسلمانوں کے بدخواہ رہیں گے''۔(۱۳)

الغرض صوفی عبدالحمید سواتی نے اپنی تفسیر میں مسلمانوں پر غیر مسلم اقوام کے ظلم و ستم کی تفصیل بیان کی ہے کہ ان بڑی طاقتوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہ بڑی طاقتیں ایک ہی مذہب (عیسائیت) سے تعلق رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتیں اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑتیں لیکن جب اسلام کا معاملہ ہو تو یہ سب طاقتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت اسرائیل کا قیام اور اس کی پشت پناہی ہے۔

iv۔ سواتی صاحب نے اپنی تفسیر 'معالم العرفان فی دروس القرآن' میں جا بجا شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات اور فلسفے سے استفادہ کیا ہے اور انھیں اپنی تفسیر کی زینت بنایا ہے۔ تفسیر کا سرسری مطالعہ کرنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کی تفسیر پر شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کی گہری چھاپ موجود ہے۔ جگہ جگہ شاہ ولی اللہ کی کتابوں کے حوالے موجود ہیں اور ان سے کہیں مختصر اور کہیں طویل اقتباسات پیش کیے ہیں۔

مثلاً قرآن مجید کی آیت **ایاك نعبدو ایاك نستعین** ''(۱۴) کی تشریح میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھتے ہیں کہ:۔

"شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کی حقیقی سعادت اللہ تعالیٰ کی عبادت پر موقوف ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی صحیح طریقے سے عبادت کریں گے تو ان کو سعادت نصیب ہو سکے گی اس کے بغیر کوئی آدمی سعادت مند نہیں ہو سکتا"۔(۱۵)

گویا عبدالحمید سواتی نے شاہ ولی اللہ کی فکر کی روشنی میں انسان کی حقیقی سعادت مندی کی نشاندہی کی ہے کہ دنیا کا حاصل ہو جانا اصل سعادت مندی نہیں بلکہ اصل سعادت مندی اللہ کی عبادت میں ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیت **یا یھاالذین امنو استعینو بالصبر والصلواۃ**"(۱۶) کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت کے مطابق کوئی بھی قوم ترقی کی پانچ منازل طے کئے بغیر بر سر عروج نہیں پہنچ سکتی ۔ترقی یافتہ قوم کی پہلی منزل تہذیب الاخلاق ہے اور دوسری تدبیر منزل، ترقی یافتہ قوم کی تیسری منزل تدبیر مدینہ ہوتی ہے، چوتھی منزل اصلاح ملک سے متعلق ہوتی ہے اور پانچویں منزل خلافت کبریٰ کی ہے جس کے ذریعے تمام جہاں کی اصلاح مطلوب ہوتی ہے۔(۱۷)

اس اقتباس سے شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی روشنی میں کسی بھی قوم کی ترقی کی راہ کا تعین ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

"جو سوسائٹی اپنے غریبوں اور محتاجوں کا خیال نہیں رکھتی وہ مٹا دینے کے قابل ہے"۔(۱۸)

گویا عبدالحمید سواتی اپنی تفسیر میں فکر ولی اللہی سے متاثر نظر آتے ہیں اور تفسیر میں جا بجا ان کے فلسفے کی وضاحت کرتے ہیں۔

۷۔ سواتی صاحب بین الاقوامی سیاسی اور معاشی نظاموں کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔انھوں نے ان نظاموں (سرمایہ داری، سوشل ازم، کیمونزم وغیرہ) کا نہ صرف بغور مطالعہ کیا بلکہ ان میں

موجود خامیوں کا ادراک بھی حاصل کیا۔انھوں نے ان نظاموں کا اسلامی نظام سے تقابلی مطالعہ کر کے اسلامی نظام کی حقانیت واضح کی اور مذکورہ بالا نظاموں پر اسلامی نظام کی برتری ثابت بھی کی۔

سواتی صاحب شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

"دنیا میں اخلاق کا بگاڑ پیدا کرنے والی دو چیزیں ہیں ایک امپریلزم جسے شہنشاہیت یا ملوکیت کہا جاتا ہے اور دوسری سرمایہ داری۔ ملوکیت میں من مانی کاروائیاں کی جاتی ہیں اور سرمایہ داری میں بھی انسان حلال وحرام کی تمیز کے بغیر مال اکٹھا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے جس سے دوسرے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ جبکہ اسلام میں حق تلفی کی بجائے حق رسی ہوتی ہے ذرائع آمدن پر کنٹرول کر کے حلت و حرمت کو واضح کیا جاتا ہے ۔ سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی کی بجائے اس کی اصلاح کی جاتی ہے ۔ رزق حلال کمانے کی ترغیب دی جاتی ہے اسلام میں باطل نظاموں کو ختم کر کے اپنا اعلیٰ و ارفع نظام قائم کیا ہے۔ جسے مسلمان بھول چکے ہیں۔(۱۹)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

"سرمایہ داری ہمیشہ قبول حق میں مانع رہی ہے"۔(۲۰)

قرآن مجید کی آیت **لن تنالوالبر حتیٰ تنفقو ا مما تحبون**"۔(۲۱) کی تفسیر میں معاشی نظام کی بابت لکھتے ہیں ۔

"سرمایہ داری نظام میں ہر شخص اپنے بنک بیلنس کی فکر میں رہتا ہے ۔ جائز و ناجائز ،حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں۔ اسی لیے قرآن نے سرمایہ دارانہ نظام کو لعنتی قرار دیا ہے۔ امریکہ ، برطانیہ ، فرانس سب لعنتی نظام معیشت کو اپنائے ہوئے ہیں وسائل معیشت اکثر ناجائز ہیں ۔ دوسری طرف الحادی نظام ہے۔ یہ سراسر خدا تعالیٰ اور شرائع الہیہ کا انکار ہے، روس اور چین وغیرہ میں یہی نظام ہے مگر سرمایہ دارانہ نظام کی طرح یہ اشتراکی نظام بھی ملعون ہے"۔ آگے لکھتے ہیں

بہر حال اسلام کے علاوہ جو بھی نظام معیشت ہے سب ملعون ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف ہے۔ البتہ اسلام کا نظام اور انبیاء کا نظام بالکل الگ ہے اس میں حلال و حرام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پابندیاں اسراف وتبذیر کی پابندیاں ہیں''۔(۴۲)

مذکورہ اقتباسات میں صوفی عبدالحمید سواتی نے اس وقت دنیا میں رائج معاشی نظاموں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان نظاموں کی بنیاد ظلم و زیادتی پر مبنی ہیں اور ان کا مقصد طاقتور کو مزید طاقتور بنانا اور کمزور کو مزید کمزور کرنا ہے تاکہ استحصالی قوتیں اپنا کھیل کھیلتی رہیں۔ اقبال نے انھیں نظاموں کو دیو استبداد سے تعبیر کیا ہے جو جمہوری قبا میں ملبوس ہے اور فریب اور دل نشیں سحر انگیزیوں سے معصوم عوام کو خوش نما طلسم میں گرفتار کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلام بنانا چاہتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں شخصی ملکیت کا تصور پایا جاتا ہے اور اشتراکی نظام میں ہر چیز حکومت کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ تمام وسائل آمدنی حکومت کی تحویل میں ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ دونوں نظامہائے معیشت غیر فطری اور باطل ہیں۔ ان کے مقابلے میں اسلامی نظام معیشت فطری اور جائز ہے انھوں نے آج دنیا کی اقتصادی بدحالی کا علاج اسلامی نظام معیشت میں تلاش کیا ہے۔ معالم العرفان کی یہ ایک اہم خصوصیت ہے کہ اس میں جابجا باطل نظامہائے معیشت کی خامیاں بیان کی گئی ہیں اور معاشی مسائل کے حل کا علاج اسلامی نظام معیشت میں بتایا گیا ہے۔

vi۔ سواتی صاحب کا فقہ پر بھی گہرا عبور تھا۔ انھوں نے فقہ کا مطالعہ کیا اور قرآن کی تفسیر لکھتے ہوئے ان آیات کا جن میں فقہی مسائل بیان ہوئے ہیں، مفصل مطالعہ پیش کیا ہے۔ فقہی مسائل پر بحث کرتے ہوئے فقہائے کرام کے مابین فقہی اختلافات کو بھی پیش کرتے ہیں۔ تفسیر میں اکثر مقامات پر فقہ حنفی کے دلائل کو ترجیح دیتے ہیں۔

مثلاً مسئلہ ولایت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

''اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ آیا عاقلہ بالغہ عورت بغیر ولی کے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں امام ابوحنیفہؒ اس کے حق میں ہیں جبکہ امام شافعیؒ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے، دونوں طرف دلائل موجود ہیں تاہم امام اعظمؒ کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے''۔(۴۳)

اسی طرح مدت رضاعت کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

''رضاعت یعنی دودھ پلانے کی مدت کے متعلق فقہائے کرام کے مختلف اقوال ہیں جن فقہائے کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے وہ رضاعت کی مدت دو سال بتاتے ہیں۔ حولین کاملین (۴۴) مگر امام مالک دو سال تین ماہ کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ رضاعت کی انتہائی مدت اڑھائی سال ہے۔ وہ سورۃ احقاف کی آیت **وحمله و فصلة ثلثون شهر**''(۴۵)

یعنی حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ ہے جو کہ اڑھائی سال بنتے ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو دو سال کا ذکر ہے تو یہ قانونی مدت رضاعت ہے قانونی حیثیت سے دو سال تک دودھ پلانا ضروری ہے تاہم زیادہ سے زیادہ مدت اڑھائی سال ہے تاہم کسی کو دو سال سے زیادہ عرصہ کے لیے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اخلاقی طور پر اگر ماں رضامند ہو تو ایسا ہوسکتا ہے''۔(۴۶)

اسی طرح دیگر کئی مقامات ایسے ہیں جہاں فقہی اختلاف بیان کئے گئے ہیں۔

vii۔ معالم العرفان میں قرآن مجید کی آیات کے مابین باہمی ربط پیدا کرنے کے لیے باقاعدہ'' ربط آیات'' کے نام سے اکثر آیات کی تفسیر سے قبل عنوان دیا گیا ہے لیکن آیات کے مابین حقیقی ربط یا نظم نہیں بتایا جاتا تاہم بعض مقامات پر واقعی ربط بیان کرتے ہیں۔

مثلاً قرآن مجید کی آیت:۔

الم تر الى الملاء من بنى اسرائيل من بعد موسىٰ اذ قالو(۴۷)

کا ماقبل آیت سے ربط بیان کرتے ہوئے صوفی صاحب لکھتے ہیں۔

''گذشتہ آیت کریمہ جہاد کے مسئلہ میں بطور تمہید تھی اس میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کی ترغیب دی گئی تھی اور ان آیات میں جہاد ہی کے متعلق تنظیم کا تذکرہ ہے جہاد ایک اجتماعی مسئلہ ہے اور اس کی تنظیم کا ہونا نہایت ضروری''۔(۴۸)

معالم العرفان کے مذکورہ بالا محاسن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تفسیر واقعی عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق لکھی گئی ہے اور اس میں دور حاضر کے مختلف مسائل کا حل پیش کیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ان خوبیوں کے علاوہ اس تفسیر میں کچھ معائب بھی ہیں مثلاً:

ا۔مؤلف ہر آیت کے ترجمہ کے بعد "ربط آیات" کا عنوان باندھتے ہیں جن کا بظاہر قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس میں نظم آیات کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اکثر مقامات پر حقیقی ربط بیان نہیں کیا جاتا اور جن آیات میں واضح ربط پایا جاتا ہے ان مقامات پر واقع ربط پیدا کرتے ہیں۔

ب۔اکثر احادیث اور اقوال بلا حوالہ بیان کئے گئے ہیں مثلاً

ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"بخاری شریف اور بعض دیگر احادیث میں ایک اور بچے کا واقعہ بھی آتا ہے ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی پاس سے کچھ لوگ گزرے جو ایک عورت پر چوری اور بدکاری کا الزام لگا کر اُسے پیٹتے جا رہے تھے مگر وہ زبان سے یہی کہہ رہی تھی حسبی اللہ"(۲۹)

حاشیہ میں اس حدیث کی بابت کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔حواشی ایک اہم چیز ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف/مصنف نے کن کن کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور کس طرح اخذ و استنباط کئے ہیں۔اس لئے مصادر و مراجع سے کسی کتاب کی قدر وقیمت زیادہ ہوجاتی ہے۔اگرچہ بعض مقامات پر حواشی و حوالہ جات کے اہتمام کی کوشش کی گئی ہے لیکن حوالہ جات انتہائی نامکمل ہونے کے ساتھ ساتھ کسی معروف نظام کے پابند نظر نہیں آتے مثلاً چوتھی جلد کے صفحہ ۵۴۴ کا حاشیہ نمبر 1 لکھا ہے "ترمذی ص ۳۳۸" جو کہ نامکمل ہے۔حوالہ جات مکمل ہونے چاہئیں کیونکہ مکمل حوالہ جات کے ذریعے مختلف مصنفوں کی کتابوں تحریروں اور دستاویزات سے استفادہ کا اعتراف ہوتا ہے اور مصنف/مؤلف کے استعمال کئے ہوئے مواد کے مستند ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ج۔معالم العرفان کی بعض عبارتوں اور واقعات کے بیان میں تکرار کا عنصر موجود ہے۔شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے سے ان کا گہرا تعلق اس تکرار کا باعث بنا ہے۔شاہ ولی اللہ کی محبت اور ان کے افکار ونظریات کے بیان میں یہ تسلسل اور تکرار بعض اوقات ناگوار محسوس ہوتی ہے۔تفسیر میں جا بجا شاہ ولی اللہ کا تعارف اور علمی خدمات کا بیان نظر آتا ہے۔شاہ ولی اللہ

کے علاوہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی اسیری کے واقعات اور ان کے ترجمہ قرآن کے بارے میں بھی بعض مقامات پر تکرار کا عنصر موجود ہے۔

وفات:

صوفی عبدالحمید سواتی زندگی کے آخری سالوں میں بیماری میں مبتلا ہوگئے فروری ۲۰۰۸ء میں آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور غنودگی میں چلے گئے،آخر کار علم و حکمت کا یہ پہاڑ ۱۶ اپریل ۲۰۰۸ء میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔نماز جنازہ اُن کے بڑے بیٹے مولانا محمد فیاض خان سواتی نے پڑھائی۔جس میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔

الغرض صوفی عبدالحمید سواتی بہت بڑی علمی اور روحانی شخصیت تھے پیکر صدق و وفا تھے۔دور اندیش ولی کامل تھے۔روشن ستارے کی مانند تھے جن سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ حق ملی ، ان سے ہزاروں شمعیں روشن ہوئیں۔مفسر قرآن ، فلسفہ شاہ ولی اللہ اور عبیداللہ سندھی کی فکر کے انقلابی نظریات کے محافظ تھے۔نصرت العلوم کا قیام وترقی اسلام کی ایک عظیم خدمت ہے۔آپ دور حاضر کی نابغہ روزگار شخصیت اور اسلاف کی یادگار تھے۔عمر بھر اشاعت اسلام کے لیے کوششیں کرتے تھے۔آپ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا کبھی پورا نہیں ہوگا۔آپ کے ادارے سے لاکھوں تشنگان علم بعلوم دینیہ سے سیراب ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔مجتہدانہ اوصاف کے باوجود اکابر کے مسلک ومشرب کے امین تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ بمفسر قرآن نمبر مدیر اعلیٰ مولانا محمد فیاض خان سواتی تاریخ گنج گوجرانوالہ اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء جلد نمبر ۱۳ شمارہ ۸،۹،۱۰ صفحہ ۴۶_۴۵

۲۔ مقالات سواتی ۱/ ۳۴۷_۳۴۵

۳۔ ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ بمفسر قرآن نمبر مدیر اعلیٰ مولانا محمد فیاض خان سواتی تاریخ گنج گوجرانوالہ اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء جلد نمبر 13 شمارہ ۸،۹،۱۰ صفحہ ۱۱۰_۹۸

۴۔ ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ بمفسر قرآن نمبر مدیر اعلیٰ مولانا محمد فیاض خان سواتی تاریخ گنج گوجرانوالہ اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء جلد نمبر 13 شمارہ ۸،۹،۱۰، صفحہ ۱۵۴_۱۵۲

۵_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۲۲۶ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۶_ مائدہ ۵:۱۱۵_

۷_ (معالم العرفان فی دروس القرآن ص ۱۸۶ تا ۱۸۸ ج ۸)

۸_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۲۸۵ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۹_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۲۹۱ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۰_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۱۱۹ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۱_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۱۴۰ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۲_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۲۹۶ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۳_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۲۸۶ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۴_ فاتحہ ۴

۱۵_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۱ ۲۱۸ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۶_ بقرہ ۱۵۳

۱۷_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۷۰_۶۹ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۸_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۷۱ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۱۹_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۵۸_۵۵۷ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۰_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۵۹۷ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۱_ آل عمران ۹۶

۲۲_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۲۰۰_۲۰۱ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۳_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۲۱۰ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۴_ بقرہ ۲۳۳

۲۵_ احقاف ۱۵

۲۶_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۲۱۲_۲۱۵ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۷_ بقرہ ۲۲۶

۲۸_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۲۵۰_۲۵۱ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

۲۹_ سواتی صوفی عبدالحمید تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن ج ۳ ۱۶۲ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹، شمارہ ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

داعی قرآن: ڈاکٹر اسرار احمد

عبدالرحمن خان

ڈاکٹر اسرار احمدؒ عظیم داعی قرآن تھے، انہوں نے قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ سطح پر تبلیغ کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دی تا کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی راہ ہموار ہو سکے۔ آپ نے قرآن کی درس و تدریس کے لیے تمام قدیم و جدید وسائل استعمال کیے۔ نظامِ خلافت کے قیام کی جدوجہد کے لیے ۱۹۷۵ء میں "تنظیم اسلامی" قائم کی جس کی قراردادِ تاسیس میں ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

"آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری ممد و معاون ہو۔

ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اُسی کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات، دین کا اصل موضوع ہے اور پیشِ نظر اجتماعیت اصلاً اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔

لہٰذا پیشِ نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے کہ اُس میں فرد کی

دینی اور اخلاقی تربیت کا کماحقہٗ لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے تمام شرکاء کے دینی جذبات کو جلا حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے، ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو، عبادات اور اتباعِ سنت سے اُن کا شغف اور ذوق و شوق بڑھتا چلا جائے، عملی زندگی میں حلال و حرام کے بارے میں اُن کی حس تیز تر اور اُن کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لئے اُن کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے۔ ان تمام اُمور کے لئے ذہنی اور علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور تاثیرِ صحبت کے اہتمام کی جانب خصوصی توجہ ناگزیر ہے۔

دعوتِ دین کے ضمن میں ہمارے نزدیک "الدین النصیحۃ" کی روح اور "الاقرب فالاقرب" کی تدریج ضروری ہے۔ لہٰذا دعوت و اصلاح کے عمل کو فرد سے اوّلاً کنبہ اور خاندان اور پھر تدریجاً ماحول کی جانب بڑھانا چاہئے۔ اس ضمن میں نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ناگزیر ہے۔

عامۃ الناس کو دین کی دعوت و تبلیغ کی جو ذمہ داری امتِ مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے، اس کے ضمن میں ہمارے نزدیک اہم ترین کام یہ ہے کہ جاہلیتِ قدیمہ کے باطل عقائد و رسوم اور دورِ جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کا مدلل ابطال کیا جائے اور حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کے لئے کتاب و سنت کی ہدایت و رہنمائی کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے، تاکہ ان کی اصلی حکمت اور عقلی قدر و قیمت واضح ہو اور وہ شبہات و شکوک رفع ہوں جو اس دور کے لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں"۔ (۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر صاحب کی زندگی کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلا دور: پیدائش اور تعلیم

ڈاکٹر صاحبؒ ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء کو مشرقی پنجاب کے ایک قصبہ حصار میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے آباء و اجداد کا تعلق یوپی ہندوستان کے علاقے مظفر نگر سے تھا۔ ۱۸۵۷ء میں آپ کے دادا اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مشرقی پنجاب آ گئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو علامہ اقبال کی شاعری سے خصوصی شغف تھا اسی لیے بچپن ہی میں ان کی اردو شاعری کے پہلے مجموعہ 'بانگ درا' کا مطالعہ کر لیا تھا۔ خصوصاً 'طلوع اسلام' کے یہ اشعار تو انہیں بے حد پسند تھے:

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے؟
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!!
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا"(۲)

۴۷-۱۹۴۶ء میں جب تقسیم ہند کا معاملہ خوب زوروں پر تھا، اور مسلمانان برصغیر نظریاتی اعتبار سے تین دائروں میں تقسیم تھے۔ جماعتِ اسلامی کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اولاً ہمارا مقصد مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہیں بلکہ اسلام کا نفاذ ہونا چاہیے۔ ہم مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے دینِ اسلام کی دعوت اور اس کے عملی تقاضے رکھیں۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں اب ان کو منظم کر کے اسلام کے عادلانہ نظام کے لیے بھرپور کوششیں کی جائیں۔ اگر اسلام کا

عادلانہ نظام بالفعل قائم ہو گیا تو اس کی برکات ہم دنیا میں بھی محسوس کریں گے اور آخرت کی تیاری کے لیے ایک سازگار ماحول مل سکے گا۔ دوسری سوچ جمعیت علمائے ہند کی تھی کہ ہماری اولین ترجیح ہندوستان کو برطانوی استعمار سے آزاد کرانا ہے۔ اس کے لیے اگر ہمیں ہندوؤں سے بھی اتحاد کرنا پڑے تو کر لینا چاہیے۔ استعمار سے آزادی کے بعد ہم شریعتِ اسلامی کے نفاذ کے لیے جدوجہد کریں گے۔ اور ہندوؤں نے اگر ہماری اس جدوجہد میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی تو ہم اُن کا مقابلہ کریں گے چوں کہ ہم اُن پر کئی سو سال حکومت کر چکے ہیں۔ تیسری سوچ مسلم لیگ کی تھی کہ استعماری اقتدار کے خاتمہ کے بعد ہم ہندو قوم کے ظلم و ستم کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ ہمیں بار بار اُن کی مسلم دشمنی اور تعصب کا تجربہ ہو چکا ہے۔ ہمیں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے علیحدہ ملک بنانا ہوگا۔ تاکہ ہم اس ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم کر کے پوری دنیا کو اس کی برکات کا عملی نمونہ دکھا سکیں، تاکہ ان پر حجت تمام ہو سکے۔

ان مختلف خیال آراء کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر جماعت اسلامی کے نقطۂ نظر سے متفق تھے۔ لیکن ان کے خیال میں ہمیں علیحدہ ملک حاصل کر کے جماعت کے نہج پر کام کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب نے جمعیت علماء ہند کے نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں کیا لیکن ان کے تقویٰ اور خلوص کے معترف رہے، لیکن چوں کہ وہ دیکھ رہے تھے انگریزوں کی سرپرستی سے اب ہندو زندگی کے ہر شعبے میں بہت ترقی کر چکے تھے اور اُن کے اندر مسلمانوں سے اپنی ہزار سالہ شکست کا انتقام لینے کا جذبہ بھی انگڑائیاں لے رہا تھا۔ لیکن جمعیت علماء ہند کو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ عوام مسلسل مختلف معاملات میں ہندو تعصب کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے موقف کی تائید کی اور مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیابی دلائی۔ ڈاکٹر صاحب نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور فعال کردار ادا کیا۔ وہ ضلع حصار میں مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری رہے۔ اسی حیثیت سے وہ حصار سے لاہور آنے والے وفد میں شامل تھے جو قائد اعظم سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۴۷ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ اس دوران جماعت اسلامی کے دعوتی لٹریچر، کتب و رسائل کا مطالعہ کرتے رہے۔ پھر جب تقسیم ہند کے وقت فسادات شروع ہوئے تو حفاظتی کیمپوں میں جماعت اسلامی کے رسالہ ماہنامہ "ترجمان القرآن" میں شائع ہونے والے "تفہیم القرآن" کے حواشی کا مطالعہ کیا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

> "اکتوبر ۱۹۴۷ء کے اوائل میں انڈین ملٹری نے حصار میں ہماری قلعہ بندیاں زبردستی توڑ ڈالیں اور پوری مسلمان آبادی کو ایک نوتعمیر شدہ جیل کے احاطوں میں قائم شدہ کیمپ میں محبوس کر دیا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد ہم لوگ ایک پیدل قافلے کے ساتھ تیں روز میں ایک سو ستر میل کا فاصلہ طے کر کے اگر حافظہ غلطی نہیں کر رہا تو غالباً ۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو براستہ سلیمانکی ہیڈ ورکس پاکستان میں داخل ہوئے اور اس طرح زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا!"۔(۳)

دوسرا دور: جماعت اسلامی کے ساتھ فکری و عملی وابستگی

پاکستان آمد کے بعد ۱۹۴۸ء-۴۹ء میں ڈاکٹر صاحب نے گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف ایس سی میں داخلہ لیا۔ اُس وقت آپ نے حلقہ ہمدردان جماعت اسلامی اسلام پورہ ،لاہور میں شامل ہو کر بڑی مستعدی کے ساتھ کام کیا، جماعت اسلامی کے لٹریچر کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ جماعت اسلامی کی نفاذ دستور اسلامی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ جس کے نتیجے میں مارچ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد کو دستور پاکستان میں شامل کیا گیا۔ جس کے مطابق یہ طے پایا کہ پاکستان میں کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے منافی نہ ہوگی۔

۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۴ء تک ڈاکٹر صاحب نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے MBBS کیا اس دوران باقاعدہ اسلامی جمعیت طلبہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ جمعیت کے پلیٹ فارم نے آپ کی تقریری، تحریری اور تدریسی صلاحیتوں کو خوب نکھرنے کا موقع فراہم کیا۔ اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستگی کے دوران آپ نے مختلف دعوتی مضامین تحریر کیے۔ جمعیت کے ترجمان کے طور پر ایک رسالہ "عزم" کے نام سے جاری کیا۔ لاہور کے علاوہ ساہیوال جا کر بھی

دروس قرآن دیتے رہے فکر قرآنی کے حوالے سے آپ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے بے حد متاثر تھے اسی لیے آپ تفسیر عثمانیؒ سے خاصا استفادہ کرتے تھے اور اس تفسیر کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس سے مجھے اسلاف کی خوشبو آ رہی ہے۔ بلکہ وہ تنظیم اسلامی کو جماعت شیخ الہند ہی کی توسیع قرار دیتے تھے۔ شیخ الہندؒ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> "میں حضرت شیخ الہند محمود الحسن دیوبندیؒ کو چودھویں صدی کا مجدد مانتا ہوں۔" (۴)

اس کے ساتھ ساتھ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر تدبر قرآن سے بھی استفادہ کرتے تھے اور انہیں اصلاحی صاحب سے باقاعدہ شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔ فکر قرآنی کی ان مختلف جہات کا احاطہ کرنے کی وجہ سے آپ کا درس قرآن بہت مقبول ہوا۔ جمعیت میں فعال سرگرمیوں کی وجہ سے پہلے ناظم لاہور پھر ناظم پنجاب اور ۱۹۵۲ء-۵۳ء میں ناظم اعلیٰ پاکستان رہے۔

اس دوران ڈاکٹر صاحب نے کئی تربیت گاہوں کا انعقاد کروایا۔ ان تربیت گاہوں میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ کے دروس قرآن سے خوب استفادہ کرتے رہے اس دوران تعطیلات کے زمانے میں منٹگمری (حال ساہیوال) میں جماعت اسلامی کے اجتماعات میں درس قرآن دیتے تھے۔ اس بارے میں فرماتے ہیں:

> "قرآن حکیم کے ساتھ اس تعلق کا سب سے بڑا فائدہ جو مجھے پہنچا وہ یہ کہ دین کی اساسی تعلیمات بھی مجھ پر براہِ راست قرآن حکیم کی روشنی میں واضح ہو گئیں اور خاص طور پر دعوت و تبلیغ دین کی اہمیت اور شہادت حق اور اقامت دین کی فرضیت بھی مجھ پر ازروئے قرآن منکشف ہو گئی۔ گویا ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ (البقرۃ:۲۵۶) کے مصداق میرے دینی فکر کا ایک براہ راست تعلق قرآن حکیم سے قائم ہو گیا۔" (۵)

دور طالب علمی کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کی رکنیت کی درخواست دی۔ نومبر ۱۹۵۴ء میں اُن کی درخواست منظور ہوئی اور وہ باقاعدہ جماعت اسلامی کے رکن بن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے۔ چوں کہ آپ اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے اس لیے آپ ساہیوال منتقل ہو گئے اور وہاں جماعت اسلامی کی ایک ڈسپنسری میں ملازمت اختیار کی۔ کچھ ہی عرصہ بعد آپ کو جماعت اسلامی منٹگمری (حال ساہیوال) کا امیر بنا دیا گیا۔

۱۹۵۵ء میں جماعت اسلامی میں ایک بحران کی کیفیت پیدا ہونی شروع ہوئی۔ کئی اراکین جماعت نے محسوس کیا کہ جماعت اپنے نہج سے انحراف کی راہ پر گامزن ہو رہی ہے۔ اب فردی اصلاح کے بجائے زیادہ زور انتخابی سیاست کے ذریعے حکومتی تبدیلی پر ہے۔ جس کی وجہ سے اراکین جماعت کی تربیت کا معیار گرتا جا رہا ہے۔ جب جماعت کے سینئر ارکان کی طرف سے اس حوالے سے بے چینی بڑھنے لگی تو امیر جماعت سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، شیخ سلطان احمد اور مولانا عبدالغفار حسن پر مشتمل ایک جائزہ کمیٹی بنائی۔ کمیٹی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ پورے ملک کا سروے کرے اور اراکین جماعت کے احساسات پر مشتمل ایک جائزہ رپورٹ پیش کرے۔

۱۹۵۶ء ڈاکٹر صاحب نے بھی ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ایک بیان اس کمیٹی کے حوالے کیا۔ جو ۱۹۵۹ء میں "تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب کا تجزیہ یہ تھا کہ جماعت اسلامی جو کہ خالص اصولی اسلامی تحریک تھی اب قومی جماعت بن کے رہ گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> "جس طرح دور اول کی جماعت اسلامی کی خصوصیات اول و دوم نے اسے بالکل "اصولی اسلامی تحریک" کی حیثیت دی تھی اسی طرح دور ثانی کی مندرجہ بالا خصوصیات اول و دوم نے اس دور کی جماعت کو بالکل "قومی جماعت" کی سطح پر لا کھڑا کر دیا۔ وہی لفظ قوم پہلے اس لیے متروک ہو گیا تھا کہ چاہے اپنی اصل کے اعتبار سے اس میں فی الواقع کوئی قباحت نہ ہو لیکن اس کے ساتھ عرصہ دراز کے استعمال سے غیر اسلامی تصورات لازماً وابستہ ہو گئے تھے۔" (۶)

ڈاکٹر صاحب نے اس تجزیہ کے لیے بطور دلیل جماعت کے اکابرین کی تحریروں کا

ایک تقابلی جائزہ پیش کیا۔ یہ تقابل ۱۹۴۷ء سے قبل لکھی جانے والی تحریروں اور پھر ۱۹۴۷ء کے بعد کی شائع ہونے والی تحریروں کا تھا۔ جس میں واضح تفاوت دکھائی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کے اس اختلافی بیان نے جماعت اسلامی کی شوریٰ کے کئی اراکین کو بہت متاثر کیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ کا تاثر یہ تھا کہ اس نوجوان نے ہمیں ہماری تحریروں کی صورت میں ایک آئینہ دکھا دیا ہے۔ اراکین شوریٰ کی اکثریت کی رائے تھی کہ جماعت کو انتخابی سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ جبکہ مولانا مودودیؒ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اس کے لیے انہوں نے جماعت کی امارت سے مستعفی ہونا چاہا۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ کا موقف تھا کہ جماعت کے فطری امیر مولانا مودودیؒ ہیں اور جماعت صرف اُن کی امارت ہی میں کام کر سکتی ہے۔ البتہ مولانا مودودیؒ کو شوریٰ کی اکثریت کی رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ جب کہ مولانا مودودیؒ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ امیر جماعت شوریٰ کی اکثریت کی رائے کا پابند ہو۔ اس دوران مولانا مودودیؒ نے بڑی دلچسپ بات کہی کہ آپ چاہتے ہیں کہ امامت تو میں کروں لیکن رکوع اس وقت کروں جب شوریٰ اللہ اکبر کہے اور رکوع سے اُس وقت اٹھوں جب شوریٰ سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ امیر کو اراکین کو گننا نہیں تولنا چاہیے۔ بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ اراکین شوریٰ کی اکثریت نے انتخابی سیاست میں حصہ لینے پر اختلاف کی وجہ سے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب نے جماعت سے علیحدگی کچھ عرصہ بعد اختیار کی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کے جماعت میں اظہار اختلاف رائے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ جس کو بھی جماعت کی پالیسی سے اختلاف ہے وہ اسے صرف سالانہ اجلاس میں ہی بیان کرے گا۔ ڈاکٹر صاحب اس پابندی کو درست نہیں سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے اپریل ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ:

> "اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں نے زندگی کا وہ نصب العین بھی ترک کر دیا جس کے حصول کے لیے میں نے جماعت میں شمولیت اختیار کی تھی اور احیائے اسلام و تجدید دین اور شہادت حق و اقامت دین کی اس جدوجہد سے بھی لاتعلقی اختیار کر لی جسے میں نے پورے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعور و ادراک کے ساتھ اپنا دینی فرض سمجھ کر قبول کیا تھا''۔(۷)

تیسرا دور: نئی اجتماعیت کے قیام کیلئے جدوجہد

جماعتِ اسلامی سے مستعفی ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ نے جماعت کی ڈسپنسری کی ملازمت چھوڑ دی اور ساہیوال میں اپنا مطب قائم کرلیا۔ ۶۱ء ۱۹۶۱ء میں دینی سرگرمیوں کے اعتبار سے ڈاکٹر صاحبؒ نے دروسِ قرآن کے کئی حلقے قائم کیے۔ اور منٹگمری (حال ساہیوال) میں طلبہ کے لیے ایک ہاسٹل بنایا تاکہ وہاں مقیم طلبہ کی دین کے وسیع تصور کے اعتبار سے ذہن سازی کی جا سکے۔ اس دوران جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین سے بدستور رابطے کرتے رہے تاکہ ایک نئی اجتماعیت قائم کی جا سکے جو جماعت اسلامی کے ابتدائی طریقۂ کار کو پھر سے اختیار کر کے افراد کی ذہن سازی اور عملی تربیت کا اہتمام کر سکے۔ منٹگمری (حال ساہیوال) میں قیام کے دوران تقریباً دو سال تک تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ رہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ عصر جمعہ کے بیان میں شرکت کرتے اور فجر کے بعد تبلیغی جماعت کے اجتماع میں دروسِ قرآن دیتے رہے۔ لیکن چوں کہ تبلیغی جماعت کی اصل توجہ صرف افراد کی اصلاح پر ہے اور وہ نفاذِ شریعت کا کوئی واضح لائحہ عمل پیش نہیں کر رہی تو تبلیغی جماعت سے مزید منسلک نہ رہ سکے۔ ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر صاحب بڑے بھائی کی خواہش پر کراچی تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

> ''اوائل ۶۲ء میں بڑے بھائی صاحب کی طرف سے دین اور دنیا یعنی معاش اور معاد دونوں کے لیے مشترکہ کوشش کی ایک نہایت دل آویز اور خوش آئند تجویز کے تحت کراچی منتقل ہوگیا اور اگرچہ بہت جلد محسوس ہوگیا کہ یہ بھی ''دام ہم رنگ زمیں'' ہی ہے تاہم ایک دفعہ اس میں گرفتار ہونے کے بعد کم و بیش تین سال اس سے رہائی حاصل کرنے میں لگے اور ۶۵ء میں میں واپس ساہیوال آسکا''۔(۸)

کراچی میں قیام کے دوران ڈاکٹر صاحبؒ کی رہائش کچھ عرصہ کے لیے کورنگی میں دارالعلوم کراچی کے بالکل ساتھ انگلینڈ لمیٹڈ کی فیکٹری میں رہی۔ اس دوران ڈاکٹر صاحبؒ کو

مفتی شفیع صاحبؒ کی قربت بھی حاصل رہی۔ کراچی میں قیام کے دوران ڈاکٹر صاحبؒ نے دروسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے کراچی یونیورسٹی سے ایم اے (اسلامک سٹڈیز) میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ کراچی سے واپس ساہیوال منتقلی کے بعد آپ کے والد صاحب ۱۱ نومبر ۶۵ء کو انتقال فرما گئے۔ اب ڈاکٹر صاحب ساہیوال سے لاہور منتقل ہو گئے اور لاہور کو اپنی دینی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ لاہور میں ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنی اب تک کی جمع شدہ پونجی سے کرشن نگر میں ایک مکان خریدا۔ اس مکان میں اپنا مطب قائم کیا۔ ۱۹۶۶ء میں دعوتی کتب کی اشاعت کے لیے دارالاشاعت الاسلامیہ قائم کیا۔ دارالاشاعت سے ڈاکٹر صاحب نے کئی دعوتی کتب شائع کیں اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ کی تفسیر تدبر قرآن کی اشاعت کا بھی آغاز کیا۔ لاہور میں آپ نے دروسِ قرآن کے کئی حلقے قائم کیے اور جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین سے رابطوں میں تیزی پیدا کردی تاکہ احیاءِ اسلام کے لیے ایک نئی اجتماعت قائم کی جا سکے۔ اسی دوران ڈاکٹر صاحبؒ نے ماہنامہ میثاق کا دوبارہ اجرا کیا جسے مولانا اصلاحی صاحب نے ۱۹۵۹ء میں جاری کیا تھا لیکن اب وہ مالی دشواریوں کی وجہ سے شائع نہیں ہو رہا تھا۔ اس دوران روزنامہ 'کوہستان' میں ''تحریک جماعت اسلامی'' پر ایک تبصرہ چھپا۔ جس میں اس بات پر خاصی تنقید کی گئی کہ جن حضرات نے جماعت اسلامی کو موردِ الزام ٹھہرا کر کہ صحیح طریقہ کار پر قائم نہیں رہی، جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی، انہوں نے نو دس سال گزرنے کے بعد بھی کوئی اجتماعی پلیٹ فارم نہیں بنایا جو اس نصب العین کو صحیح سمت لے کر آگے چلے، جو جماعت اسلامی کا ہے۔ چونکہ نصب العین میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ اس تنقید کا یہ اثر ہوا کہ ڈاکٹر صاحب اور دوسرے اکابرین جو جماعت سے علیحدہ ہوئے تھے، رابطوں میں تیزی لائے۔ اور جلد ایک اجتماعی نظم بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ انہی کوششوں کے نتیجے میں ۶۷۔۱۹۶۶ء میں رحیم یار خان میں اجتماع ہوا۔ جس میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، مولانا عبدالغفار حسن صاحب اور دیگر اکابرین نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں ایک اجتماعیت کے قیام کے حوالے سے قراردادِ تاسیس پر اتفاق ہوا۔ قراردادِ تاسیس کی توضیحات کے ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور مولانا عبدالغفار حسن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب نے بہت عمدہ تقاریر کیں۔ طے پایا کہ نئی اجتماعیت کے لیے کنوینر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب ہوں گے۔ وہ پورے پاکستان کا دورہ کریں گے اور خدمتِ دین کا جذبہ رکھنے والوں کو نئی اجتماعیت کے مقاصد اور طریقۂ کار سے آگاہ کریں گے۔ بعد ازاں اس اجتماعیت میں شمولیت کا ارادہ کرنے والوں کا ایک ملک گیر اجتماع ہوگا جس میں اجتماعیت کے قیام کا باقاعدہ اعلان کیا جائے گا۔ پروگرام کے مطابق مولانا امین احسن اصلاحی صاحب مختلف شہروں کے دورے پر نکلے۔ سکھر میں ایک اجتماع کے دوران اُن کی جماعت اسلامی کے ایک رکن سے تلخ کلامی ہوگئی۔ اصلاحی صاحب اس پر دلبرداشتہ ہوگئے اور صاف کہہ دیا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ وہیں سے اُنہوں نے لاہور واپسی کا فیصلہ کیا۔لہٰذا ''حسرت اُن غنچوں پہ جو بن کھلے مرجھا گئے'' کے مصداق ایک اجتماعیت کے قیام کا معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''بہر حال اس مرحلے پر میں نے خوب سوچ سمجھ کر پوری دلجمعی کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا کہ اب جو کچھ کرنا ہے انفرادی طور پر اور از خود کرنا ہے۔ نہ بزرگوں کے انتظار میں رہنا ہے کہ وہ آگے بڑھیں تو میں بھی چلوں نہ سابق رفقاء کی راہ تکنی ہے کہ وہ ساتھ قدم ملائیں تو میں بھی سفر کا آغاز کروں۔ ہر شخص خدا کی عدالت میں انفرادی طور پر پیش ہوگا اور اپنی اپنی جوابدہی کرے گا۔ ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾(مریم) لہٰذا کوئی اور آگے بڑھے یا نہ بڑھے اور ساتھ دے یا نہ دے' مجھے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کی فکر بہر حال کرنی ہے!''(۹)

بالآخر ان تھک جدوجہد کے بعد ۱۹۷۵ء میں تنظیمِ اسلامی کا قیام عمل میں آیا اور مذکورہ قرار داد تاسیس کو ہی اس نئی اجتماعیت کی اساس قرار دیا گیا۔لیکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ جب اس بات سے نا امید ہو گئے تھے کہ جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابر ین کسی اجتماعیت کے قیام کے حوالے سے آگے بڑھیں گے تو اُنہوں نے اپنے طور پر ایک اجتماعی جدوجہد کے آغاز کا عزم کیا۔ اس حوالے سے ایک لائحۂ عمل "اسلام کی نشاۃ ثانیہ --- کرنے کا اصل کام" کے عنوان سے ایک تحریر میں پیش کیا۔ اس کتابچے میں اُنہوں نے واضح

کیا کہ مسلمانوں کے زوال کی بنیادی وجہ مغربی فکر کی ہمہ گیریت ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''خیالی اور ماورائی تصورات کے بجائے ٹھوس حقائق و واقعات کو غور و فکر اور سوچ و بچار کا اصل مرکز و محور ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔اور خدا کے بجائے کائنات' روح کے بجائے مادہ اور موت کے بعد کسی زندگی کے تصور کے بجائے حیاتِ دنیوی کو اصل موضوعِ بحث قرار دیا گیا ہے۔خالص علمی سطح پر تو اگرچہ یہ کہا گیا کہ ہم خدا ،روح اور حیات بعد الممات کا نہ اقرار کرتے ہیں نہ انکار'لیکن اس عدم اقرار و انکار کا نتیجہ بہر حال یہ نکلا کہ یہ تصورات رفتہ رفتہ بالکل خارج از بحث ہوتے چلے گئے اور انسان کے سارے غور و فکر اور تحقیق و تجسس کا مرکز و محور کائنات، مادہ اور حیاتِ دنیوی بن کر رہ گئے۔''(۱۰)

ان تصورات کی مدافعت کیلئے دارالعلوم دیوبند ایک تحریک کی شکل میں منظر عام پر آیا جنہوں نے اس دور میں روحانیت کی شمعیں جلائیں اور قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں میں دین اسلام کا ڈھانچہ محفوظ رکھا۔دوسری قسم کی کوششوں کا بنیادی فلسفہ یہ تھا کہ جدید فکر میں سے صحیح و غلط کی نشان دہی کر کے علیحدہ کیا جائے اور اسلام کی حقانیت ثابت کی جائے ۔ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''بہر حال امر واقعہ ہے کہ ان کی ان کوششوں سے دین و مذہب کی جان نکل کر رہ گئی اور مغرب کی مادہ پرستانہ ذہنیت کے تحت مذہب کا ایک کم و بیش لا مذہبی ایڈیشن تیار ہوا۔جس کا اگر کوئی فائدہ ہوا تو صرف یہ کہ بہت سے ایسے لوگوں کو جو ذہن و فکر کے اعتبار سے ہی نہیں تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بھی خالص یورپین بن چکے تھے انہیں اپنے اوپر سے اسلام کا لیبل اتارنے کی ضرورت نہ پڑی۔اور وہ مسلم قومیت کے حلقے میں شامل رہ گئے اور دین کا یہ جدید ایڈیشن ان کی جانب سے مغرب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدمت میں بطور 'معذرت' پیش ہو گیا۔"(۱۱)

ڈاکٹر صاحبؒ کا تجزیہ یہ تھا کہ اب ان حالات میں احیاءِ اسلام کے لئے دو قسم کے کام کرنے ہوں گے۔ ایک علمی کام اور دوسرا تحریکی کام۔ علمی کام کے لئے ایسے نوجوان تیار کرنے ہوں گے جو ایک طرف جدید علوم سے بہرہ ور ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اسلامی علوم کی ٹھوس بنیاد رکھتے ہوں۔ یہ نوجوان تخلیقی، تبلیغی، تدریسی اور تصنیفی کاموں کے ذریعے تین اعتبارات سے علمی خدمات سرانجام دیں۔ پہلا یہ کہ مغربی فلسفہ و فکر کی مضبوط دلائل سے تباہ کاریاں ثابت کریں۔ دوسرا یہ کہ اسلامی تعلیمات اور تصورات کو دلائل سے پیش کریں تا کہ جدید ذہن کے شبہات کا ازالہ ہو سکے۔ تیسرا یہ کہ عصرِ رواں کے اعتبار سے اسلام کے سیاسی معاشرتی اور معاشی نظام کو مرتب کریں جس سے ثابت ہو کہ اسلام ہی وہ واحد نظام ہے جو پوری دنیا کے اجتماعی مسائل کا حل پیش کرتا ہے یعنی اسلام کو ایک نظامِ حیات کے طور پر پیش کریں۔ تحریکی کام کے حوالے سے عوام الناس پر دینی ذمہ داریاں واضح کریں۔ انہیں ہر سطح پر یہ ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے منظم کریں۔ اُن کے دلوں میں نظامِ باطل کے خلاف شدید نفرت پیدا کریں تا کہ وہ رائج نظام کو ختم کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے ان مقاصد کے حصول کے لیے پہلے اپنے آپ کو پیش کیا۔ علمی کام کے لیے ۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم کی جبکہ تحریکی کام کے لیے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کی۔ اب ملک اور بیرونِ ملک سے باصلاحیت نوجوانوں کی تنظیم اسلامی سے وابستگی ہے جو اس مشن کو آگے پھیلا رہے ہیں۔

۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے موضوع پر ایک معرکۃ الآرا تحریر لکھی۔ اس تحریر کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب قرآن مجید سے دوری ہے اور پھر سے عروج کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید کے حقوق ادا کر کے اُس کے ساتھ اپنے تعلق کو زندہ اور مضبوط کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں :

"حالاتِ موجودہ یہ ایک بہت دور کی بات اور سہانا خواب معلوم ہوتا ہے

'اس لئے کہ واقعی صورت حال یہ ہے کہ وہ امت کہ جسے قرآن کو اقوام و امم عالم تک پہنچانے کا ذمہ دار بنایا گیا تھا آج اس کی محتاج ہے کہ خود اسے قرآن "پہنچایا" جائے۔ لہٰذا اس وقت، اصل ضرورت اس کی ہے کہ خود امت مسلمہ میں تعلیم و تعلّم قرآن کی ایک رو چل نکلے اور مسلمان درجہ بدرجہ قرآن سیکھنے اور سکھانے میں لگ جائے۔"(۱۲)

مذکورہ کتاب کو بہت پذیرائی ملی۔ اور لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کی گئی۔ اس کتاب کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر محمد ابراہیم مرحوم نے کیا۔ اور عربی ترجمہ ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے ماہنامے 'البعث الاسلامی' میں شائع ہوا۔ اس کتاب پر جید علماء کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کی خوب ستائش کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کا متعدد بار اعتراف کیا کہ قرآن کی عظمت کا اولین نقش اقبال کی شاعری سے ہوا اور خاص طور پر اس شعر نے تو قلب و ذہن پر گہرے اثر چھوڑے، جس میں اقبالؒ فرماتے ہیں :

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ڈاکٹر صاحب اکثر اس شعر میں 'تم' کی جگہ 'ہم' پڑھا کرتے تھے یعنی " اور 'ہم' خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر ۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۱ء کا دور ڈاکٹر صاحب کے لئے مشکلات کا دور رہا۔ اس لیے کہ بہت سی ذمہ داریاں بیک وقت ان کے کندھوں پر آ گئیں۔ مختلف جگہوں پر دروسِ قرآن کے حلقہ جات قائم تھے۔ اپنے مطب کو بھی باقاعدہ وقت دینا ہوتا تھا۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں بغرضِ خطاب یا درس جانا ہوتا تھا۔ ماہنامہ 'میثاق' کی ادارت بھی ڈاکٹر صاحب کے پاس تھی۔ ساتھ ساتھ دارالاشاعت میں بھی خاصی مصروفیت رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو شام کے وقت بخار رہتا تھا۔ اور صحت بدستور خراب ہو رہی تھی۔ شروع شروع میں تو اپنی صحت کی طرف دھیان نہ دیا، لیکن جب صحت زیادہ خراب ہوئی تو مجبوراً تشخیص کرانا پڑی۔ لیکن اس تشخیص کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تو آپ نے کچھ دنوں کے لیے لاہور سے باہر جا کر آرام کیا۔ پھر واپس آ کر کام شروع کر دیا۔ لیکن صحت دوبارہ خراب ہونے لگی، تو کچھ دلبرداشتہ ہو کر اور بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے عوامل کی وجہ سے آپ نے کچھ ماہ بیرون ملک جانے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب اواخر اکتوبر ۱۹۷۰ء میں حجاز مقدس کے لیے روانہ ہوگئے۔۱۳۹۰ھ کا رمضان المبارک کا پورا مہینہ مدینہ منورہ میں گزارا۔اس کے بعد ایک ماہ کے لیے لندن اپنے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کے پاس چلے گئے۔وہاں سے پھر حجاز آئے۔اس دوران مسلسل اپنے مستقبل کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچتے رہے۔چنانچہ وہیں حجاز مقدس میں اپنی زندگی کا اہم فیصلہ کیا کہ اب پوری زندگی قرآن اور نظام خلافت کے قیام کے لیے وقف کرتا ہوں۔ مطب کو بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ مطب کے تمام اثاثہ جات فروخت کردیے۔اس کے بعد آپ نے قرآن کی تعلیمات کو اعلیٰ علمی سطح پر پہنچانے کے لیے اواخر ۱۹۷۲ء میں 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' قائم کی۔ بعد میں دار الاشاعت الاسلامیہ کے تمام اثاثہ جات انجمن خدام القرآن نے خرید لئے جس سے ڈاکٹر صاحب کی مالی مشکلات میں کمی آئی۔ انجمن خدام القرآن کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو رہائش فراہم کی گئی۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنا کرشن نگر کا گھر کرائے پر دے دیا جس سے ڈاکٹر صاحبؒ کے گزراوقات کی سبیل پیدا ہوگئی۔البتہ ڈاکٹر صاحبؒ نے طے کیا کہ ان کی مطبوعات پر اُن کا کوئی حق نہیں ہوگا اور اُن سے ہونے والی تمام آمدنی انجمن خدام القرآن کے لئے وقف ہوگی۔ اس انجمن کے تحت ۱۹۷۵ء میں ماڈل ٹاؤن لاہور میں قرآن اکیڈمی قائم ہوگئی۔ بلاشبہ یہ اکیڈمی خدمت قرآن کا ایک بہت بڑا مرکز بنی جس میں بیش بہا تدریسی، تبلیغی، تصنیفی اور تحقیقی کام جاری وساری ہیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

> "واضح رہے کہ راقم الحروف اپنی ذہنی ساخت اور مزاج وطبع کی افتاد کے اعتبار سے محض انجمن سازی پر نہ کبھی پہلے مطمئن ہو سکا ہے اور نہ اب مطمئن ہوسکتا ہے' بلکہ اس کے پیش نظر بحمداللہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اظہار دین حق کا بلند و بالانصب العین ہے اور اس کے لیے ایک ہمہ گیر جدوجہد ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہے...... پھر یہ بات بھی اس پر بخوبی واضح ہے کہ یہ کام انجمنوں کے ذریعے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے لازم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ایک قول مبارک کے مطابق سمع وطاعت اور جہاد و ہجرت کی بنیادوں پر باقاعدہ ایک جماعت قائم کی جائے اور اسے امید واثق ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اس کی زندگی میں یہ مرحلہ بھی ضرور آ کر رہے گا' تاہم ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا مناسب وقت کب آئے گا اور فی الوقت ان مقاصد عظیمہ کی اصل جدوجہد کی تمہید کے طور پر صرف تعلیم وتعلم قرآن کے جزوی کام پر اکتفا کیے ہوئے ہے اور پیش نظر انجمن کی حیثیت اس جزوی کام کے بھی ایک شعبے کی ہے۔ چنانچہ مجوزہ انجمن کی قرارداد تاسیس کے الفاظ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ "منبع ایمان ویقین یعنی قرآن حکیم کے علم وحکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر واشاعت" بجائے خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی "اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق کے دور ثانی" کی شرط لازم یعنی "تجدید ایمان کی عمومی تحریک" برپا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے"(۱۳)

تنظیم اسلامی کا قیام

تحریکی کام کے لیے ڈاکٹر صاحبؒ نے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا قیام تو عمل میں لائے لیکن ڈاکٹر صاحب نے جماعت کی امارت کی ذمہ داری قبول نہیں کی بلکہ کنوینر کے طور پر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی خواہش تھی کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے کوئی بزرگ اس جماعت کی امارت کا منصب سنبھالیں۔ ڈھائی سال کے انتظار کے باوجود کوئی بزرگ اس کے لئے تیار نہ ہوئے۔ بالآخر اگست ۱۹۷۷ء میں تنظیم اسلامی کے تیسرے سالانہ اجتماع کے موقع پر ڈاکٹر صاحبؒ نے تنظیم اسلامی کی امارت کی ذمہ داری قبول کی اور طے کیا کہ اس جماعت کی اساس قرآن وسنت اور سلف صالحین کے آثار سے ماخوذ بیعت سمع وطاعت کے اصول پر ہوگی۔

۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر صاحب نے باغ جناح لاہور میں واقع مسجد دار السلام میں خطاب جمعہ دینے کا آغاز کیا۔ اس سے قبل ڈاکٹر صاحب نے دس سال مسجد خضراء سمن آباد لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں خطاب جمعہ دیتے رہے۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں جب دینی و سیکولر جماعتوں کے اتحاد یعنی پاکستان قومی اتحاد نے انتخابات میں دھاندلی کے خلاف تحریک چلائی تو اُسے تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کا نام دے دیا۔ مسجد خضراء کی انتظامیہ کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر صاحب اس تحریک کی حمایت میں خطاب جمعہ کے ذریعے بیانات ارشاد فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ کا موقف تھا کہ یہ تحریک' نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے نہیں بلکہ صرف بھٹو حکومت گرانے کے لیے ہے۔ عوام کو سڑکوں پر لانے کے لیے نظام مصطفیٰ کا نعرہ اختیار کیا گیا ہے۔ مسجد خضراء کی انتظامیہ نے ڈاکٹر صاحب کا موقف تسلیم نہیں کیا اور اُنہیں خطاب جمعہ کی ذمہ داری سے ہٹا دیا۔ بعد ازاں وقت نے ثابت کیا کہ ڈاکٹر صاحبؒ کا موقف کس قدر برحق تھا۔

۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لاء لگایا اور اقتدار پر قبضہ کیا۔ اُنہوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے اسلام کے نفاذ کو اپنی حکومت کا مقصد قرار دیا اور دینی و مذہبی رہنماؤں سے قریبی ربط و ضبط رکھا۔ وہ ماضی میں ڈاکٹر صاحبؒ کے دروس قرآنی میں شریک ہوتے رہے تھے لہٰذا اُنہوں نے ڈاکٹر صاحبؒ کے لیے بھی پذیرائی کا خاص اہتمام کیا۔ کئی مقامات پر اعلیٰ فوجی افسران کے سامنے ڈاکٹر صاحبؒ کو سیرت کے موضوع پر خطاب کے مواقع فراہم کیے۔ پاکستان ٹیلی ویژن پر اپریل ۸۱ تا جون ۱۹۸۲ الہدیٰ پروگرام ہر ہفتہ باقاعدگی سے نشر ہوتا رہا جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحبؒ اور ان کی فکر قرآنی کا وسیع پیمانے پر تعارف ہوا۔ جون ۸۱ء میں شرعی پردہ کے حوالے سے ڈاکٹر صاحبؒ کے موقف پر خواتین کی طرف سے مظاہرے ہوئے اور الہدیٰ پروگرام بند کر دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے متبادل کے طور پر پاکستان کے کئی بڑے شہروں میں شام الہدیٰ کے عنوان سے دروس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جن سے کثیر تعداد میں لوگوں نے استفادہ کیا۔

۱۹۸۱ء میں جنرل ضیاء الحق نے ڈاکٹر صاحبؒ کو شوریٰ میں شمولیت کی دعوت دی۔ ڈاکٹر صاحب نے انکار کیا تو اُنہوں نے کہا کہ آپ مجھے مسجد کے منبر پر بیٹھ کر کے مشورے دیتے رہتے ہیں۔ اب میں باقاعدہ اس کے لیے فورم بنا رہا ہوں تو آپ کیوں انکار کر رہے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے ضیاء الحق کی دلیل کو تسلیم کر لیا اور شوریٰ میں شامل ہو گئے۔ ڈھائی ماہ

کے دوران ڈاکٹر صاحبؒ کو اندازہ ہو گیا کہ شوریٰ کا ادارہ صرف خانہ پوری کے لیے ہے تاکہ عالمی برادری کو تاثر دیا جائے کہ ضیاء الحق آمر کے طور پر نہیں بلکہ مشاورت سے حکومت کا نظام چلا رہا ہے۔ درحقیقت شوریٰ کا ادارہ صرف زبانی جمع خرچ کے لیے ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے ڈھائی ماہ بعد ہی شوریٰ سے استعفیٰ دے دیا۔

۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے رمضان المبارک کے دوران نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کا آغاز کیا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ قرآن کی ہدایت سے آشنا ہوں۔ مزید یہ کہ رات کا طویل حصہ قرآن کے ساتھ بسر ہو تاکہ حسب ارشاد رسول ﷺ روز قیامت قرآن شرکاء کے حق میں یہ سفارش کر سکے کہ یہ لوگ میری وجہ سے جاگتے رہے۔ اس پروگرام کو اللہ نے خصوصی شرف قبولیت بخشا اور ہر سال اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ پروگرام کرنے کی سعادت لاہور کے علاوہ کراچی، ملتان، ابوظہبی، اور امریکہ میں بھی حاصل کی۔ اب ڈاکٹر صاحبؒ کے ایک سو سے زائد شاگرد ہیں جو ہر سال خدمت قرآنی کی اس صورت کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

۱۹۸۴ء کے اواخر میں ڈاکٹر صاحب نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں" منہج انقلاب نبوی ﷺ" کے موضوع پر خطابات کا آغاز کیا۔ مجموعی طور پر ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر گیارہ خطابات ارشاد فرمائے جنہیں بعد میں کتابی صورت میں مرتب کرلیا گیا۔ بلامبالغہ سیرت النبی ﷺ کے عملی وانقلابی پہلو کے اعتبار سے یہ خطابات کا ایک معرکۃ الآراء مجموعہ ہے۔ ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے اہل پاکستان کو خبردار کیا کہ اُنہیں آزادی حاصل کیے ہوئے ۴۰ برس مکمل ہو رہے ہیں۔ اگر اب بھی اسلام کی طرف پیش قدمی نہ کی تو عذاب الٰہی کے سامنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس حوالے سے اُنہوں نے ایک کتاب "استحکام پاکستان" تحریر کی اور اس موضوع پر کئی شہروں میں خطابات دیے۔

۱۹۸۶ء میں سینیٹر مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف نے ملک میں نفاذ شریعت کے لیے سینیٹ میں ایک شریعت بل پیش کیا۔ تمام دینی جماعتیں اس بل کی منظوری کے لیے" متحدہ شریعت محاذ" کے نام سے متحد ہو گئیں۔ حکومت کو دھمکی دی گئی کہ اگر ۲۷ رمضان المبارک تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت بل منظور نہ کیا گیا تو دینی جماعتوں کے اراکین اسمبلی و سینیٹ سے استعفیٰ دے دیں گے اور حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک چلائیں گے۔ ڈاکٹر صاحب اس محاذ کی سرگرمیوں میں انتہائی فعال طور پر سرگرم ہوئے۔ کراچی کے ایک جلسہ میں کئی اکابر علماء کی موجودگی میں انہوں نے تجویز دی کہ ہمیں منظم احتجاج کے لیے ایک امیر کی قیادت پر متفق ہونا ہوگا اور اُس سے بیعت سمع و طاعت کرنی ہوگی۔ انہوں نے امیر کے لیے مولانا سمیع الحق کے والد مولانا عبدالحق کا نام پیش کیا۔ افسوس کہ دیگر علماء نے شریعت کے نفاذ کی اہمیت پر تو خوب زور دیا لیکن عملی جدوجہد کے لیے ڈاکٹر صاحب کی تجویز کا ذکر تک نہیں کیا۔ جب ۲۷ رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو دینی جماعتوں کے اراکین نے اسمبلی اور سینیٹ سے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا۔ ایک رکن اسمبلی نے کہا کہ ہم کیوں استعفیٰ دیں۔ ہم دین کے دشمنوں کو ان اداروں سے نکال باہر کریں گے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سوچ کس حد تک قابل عمل تھی؟ بہر حال دینی جماعتوں کے اس طرز عمل نے ڈاکٹر صاحب کو شدید مایوس کیا اور ڈاکٹر صاحب نے اس روش کو ایک بہت بڑا المیہ قرار دیا۔

اس دوران ڈاکٹر صاحبؒ سالانہ بنیادوں پر محاضرات قرآنی کا انعقاد کرتے رہے۔ یہ محاضرات اہم دینی موضوعات پر منعقد ہوئے جن میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء اور دانشوروں نے گراں قدر خطابات اور مقالے پیش کیے۔ ان محاضرات کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مختلف مکاتب فکر کے علماء ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے، ایک دوسرے کے خیالات سے مستفید ہوئے اور باہم دوریوں میں کمی آئی۔ ۱۹۹۱ء میں امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو ڈاکٹر صاحبؒ نے وطن عزیز کے طول و عرض میں امریکہ کے اصل عزائم یعنی عظیم تر اسرائیل (GREATER ISRAIEL) کے قیام کو بے نقاب کیا۔ اسی سال ڈاکٹر صاحبؒ نے تحریک خلافت پاکستان کے قیام کا اعلان تحریک خلافت کے حوالے سے تاریخی مقام خالق دینا ہال کراچی میں کیا۔ آپ نے کئی شہروں میں نظام خلافت کیا کیوں اور کیسے؟ کے موضوع پر خطابات ارشاد فرمائے۔

ستمبر ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے رفقاء تنظیم اسلامی کو آگاہ کر دیا کہ وہ قمری اعتبار سے مسنون عمر یعنی ۶۳ برس کے ہو چکے ہیں لہٰذا اب دنیا سے رخصت ہونے کی تیاری شروع کر

رہے ہیں۔ انہوں نے بعض املاک جو اُن کے ذاتی نام پر تھیں، اقامت دین اور دین حق ٹرسٹ کے نام منتقل کر دیں تا کہ اُن کے بعد ان املاک پر اُن کا کوئی وارث ملکیت کا دعویٰ نہ کر سکے اور ان املاک کا استعمال دینی مقاصد کے لیے ہوتا رہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے یہ واضح کرنے کے لیے کہ انہوں نے دین کی خدمت کو مالی منفعت کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا، ایک کتاب "حساب کم وبیش" کے نام سے تحریر کی۔ اس کتاب میں انہوں نے زندگی بھر کی آمدنی اور اخراجات کا حساب پیش کر دیا۔ اپنی خدمات قرآنی کا جائزہ پیش کرنے کے لیے ایک کتاب دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر تحریر کی۔ تنظیم اسلامی میں اپنے جانشین کا فیصلہ کرنے کے حوالے سے وسیع تر مشاورت کا آغاز کیا۔ مسلسل چھ برس کی مشاورت کے بعد فروری ۱۹۹۸ء میں محترم حافظ عاکف سعید صاحب کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے اگست ۱۹۹۳ء میں حزب التحریر کے تحت عالمی خلافت کانفرنس لندن میں "منہج انقلاب نبوی ﷺ" کے موضوع پر انگریزی میں خطاب کیا۔ پھر ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۶ء میں امریکہ جا کر انگریزی میں دورۂ ترجمہ قرآن ریکارڈ کرایا۔

۱۹۹۷ء میں مسلم لیگ کو عام انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی اور اُسے قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت حاصل ہوگئی۔ اب ڈاکٹر صاحب نے نواز شریف سے کئی ملاقاتیں کیں اور انہیں دستور پاکستان میں شامل کرنے کے لیے ایسی ترامیم مرتب کر کے دیں جس سے وطن عزیز میں اسلامی قوانین کا نفاذ ممکن ہو سکے۔ رفقاء تنظیم اسلامی نے بھی اس حوالے سے بھرپور مہم چلائی اور لاکھوں کی تعداد میں مجوزہ ترامیم کا خاکہ حکومت کو بذریعہ ڈاک بھیجا۔ بدقسمتی سے مسلم لیگ کی حکومت نے دستور پاکستان کو اسلامی بنانے اور اُس میں سے منافقانہ شقیں خارج کرنے کا بہترین موقع گنوا دیا۔

۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر صاحبؒ نے کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کیا جس کی ویڈیو ریکارڈنگ جدید Digital کیمروں کے ذریعہ کی گئی۔ مختلف ملکی اور بیرون ممالک کے ٹی چینل ڈاکٹر صاحب کے دروس اور لیکچرز کو نشر کر رہے ہیں۔ اور پیغام قرآنی سو سے زائد مسلم و غیر مسلم ممالک تک پہنچ رہا ہے۔ ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر صاحبؒ کے دونوں گھٹنوں کا آپریشن ہوا۔ اسی سال

© rasailojaraid.com